اردو قواعد

تالیف
ڈاکٹر شوکت سبزواری

*

حواشی
سیّد قدرت نقوی

مکتبہ اسلوب کراچی

اردو قواعد

تالیف
ڈاکٹر شوکت سبزواری

حواشی
سید قدرت نقوی

مکتبہ اسلوب

یہ کتاب ڈاکٹر شوکت سبزواری کی نویں
برسی پر ان کی یاد میں شائع کی جا رہی ہے

طبع اوّل	سنہ ۱۹۸۲ء
تعداد	پانچ سو
سرورق	لیاقت حسین
کتابت	محمد شریف گل
مطبع	حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد۔ کراچی
قیمت	بیس ۲۰ روپے

مکتبۂ اسلوب

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۱۹ - کراچی نمبر ۱۸

فہرست

یہ کتاب — مشفق خواجہ — ۵

اجزائے کلام — ۷

اسم — ۱۰

۱۔ اسم بہ اعتبار افراد — ۱۱

۲۔ اسم بہ اعتبار معنیٰ — ۱۵

۳۔ اسم بہ اعتبار ساخت — ۶

اسمِ ماخوذ — ۱۹

۱۔ مصدر — ۱۹

۲۔ حاصل مصدر — ۲۱

۳۔ اسم فاعل — ۳۱

۴۔ اسم حالیہ — ۳۷

۵۔ استقبالیہ — ۴۰

۶۔ تصغیر و تکبیر — ۴۱

۷۔ اسم آلہ — ۴۵

۸۔ اسم ظرف — ۴۶

اسمِ مرکب — ۴۹

۱۔ مرکب عطفی — ۴۹

۲۔ مرکب نحوی — ۵۲

۳۔ مرکب توصیفی — ۵۳

۴۔ مرکب عددی — ۵۳

تغیراتِ اسم ۵۷
جنس ۶۱
و۔ جنس حقیقی ۶۱
ب۔ جنس غیر حقیقی ۶۵
۱۔ جنسِ قیاسی ۶۵
۲۔ جنس سماعی ۶۷
عدد ۷۵
حالت ۸۱
اسمائے مطلقہ ۸۵

یہ کتاب

یہ ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کی آخری تصنیف ہے۔

اِس کتاب کے لکھنے کا خیال انھیں ایک عرصے سے تھا، اور وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اردو قواعد کی جتنی بھی کتابیں موجود ہیں، وہ عربی، فارسی یا انگریزی قواعد کے تتبع میں لکھی گئی ہیں، کسی نے اردو زبان کے مزاج و منہاج کو سامنے رکھ کر اس کے اصول و قواعد مرتب نہیں کیے۔ میں قواعد کی ایسی ہی کتاب لکھنا چاہتا ہوں۔" ——— ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب وہی لکھ سکتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی نجی اور ذاتی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ انھیں وہ یکسوئی حاصل نہ ہو سکی جو اِس قسم کے کاموں کے لیے بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتی ہے۔ تقریباً چھ سات برس تک وہ اس موضوع پر غور و فکر کرتے اور اپنی یادداشتیں ایک بیاض میں درج کرتے رہے۔ ۱۹۷۱ء کے وسط میں انھوں نے یہ مژدہ سنایا کہ کتاب لکھنی شروع کر دی ہے۔ کوئی سال بھر اِس کام میں مشغول رہے ہوں گے کہ وہ بیمار ہو گئے۔ ۷۲ء کے آخر میں ان کی صحت بالکل جواب دے گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹، مارچ ۷۳ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔

بیماری کے دوران ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اپنی صحت سے زیادہ اِس کتاب کی تکمیل کا خیال رہتا تھا۔ وہ بار بار اِس خواہش کا اظہار کرتے تھے کہ صرف چھ مہینے کے لیے انھیں صحت مل جائے تو وہ اِس کتاب کو مکمل کر دیں۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا' اور کتاب نامکمل رہ گئی۔ اُن کی بیماری کے دوران جب بھی میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اِس کتاب کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ انتقال سے کوئی مہینہ پہلے جب اُنھیں اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہو چکی تھی، ایک روز اُنھوں نے کتاب کا مسودہ میرے حوالے کیا کہ اس کا عکس بنوا لاؤں۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اُنھوں نے مسودہ تو اپنے پاس رکھ لیا اور اس کا عکس میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا "اِسے آپ اپنے پاس رکھیے، اگر میرا انتقال ہو جائے تو اِسے چھپوا دیجیے گا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر مسودے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "میری خواہش تو یہی تھی کہ مرنے سے پہلے اس کتاب کو مکمل کر دوں۔ مگر اب اس خواہش کی تکمیل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جو کچھ لکھا ہے اس پر نظرِ ثانی کی مہلت بھی نہیں ملی۔

بہرحال جو کچھ ہے، یہ بھی اردو میں اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے، مجھے امید ہے کہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔"

اور آج جب کہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کو نو برس پورے ہو چکے ہیں، میں اس کتاب کو غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شائع کر رہا ہوں۔ غم اس بات کا کہ ڈاکٹر صاحب اس کتاب کو مکمل کرنے کی حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے، خوشی اس بات کی کہ میں مرحوم کی وصیت کی تعمیل کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو امید تھی، اور مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کی اشاعت فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔ گو اس میں قواعد کے صرف حصّۂ صرف کا بیان ہے اور وہ بھی نامکمل، نحو کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا، تاہم یہ اپنی موجودہ صورت میں بھی اردو قواعد میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ اس کو مشعلِ راہ بنا کر اُردو قواعد نویسی کے کام کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کام پر نظرِ ثانی نہیں کر سکے تھے، اس کا موقع ملتا تو وہ یقیناً اپنی عادت کے مطابق اس میں کمی بیشی کرتے۔ ظاہر ہے کہ اب یہ کام کوئی دُوسرا نہیں کر سکتا تاہم میں نے احتیاطاً سید قدرت نقوی صاحب کو کتاب کا مسودہ دکھایا اور یہ گزارش کی کہ وہ اس پر ایک نظر ڈال لیں، اور اس میں مختلف کتابوں کے جو حوالے اور اقتباسات دیے گئے ہیں، اُن کا اصل سے مقابلہ کر لیں۔ نقوی صاحب نے بڑی محنت سے یہ کام انجام دیا ہے۔

سیّد قدرت نقوی صاحب کو کئی برس تک ترقی اردو بورڈ کراچی میں ڈاکٹر شوکت سبزواری کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے دوران ڈاکٹر صاحب اکثر نقوی صاحب سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ نقوی صاحب، ڈاکٹر صاحب کے علمی مزاج اور طریقِ کار سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے اس کتاب کے مسودے پر نظر ڈالنے کا اُن سے زیادہ کوئی اہل نہیں۔ دورانِ مطالعہ نقوی صاحب نے محسوس کیا کہ بعض مقامات پر مباحث اُس صورت میں نہیں ہیں جیسا کہ انھیں ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ اصل مسودے میں ترمیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں نے نقوی صاحب سے گزارش کی کہ وضاحت طلب مقامات پر وہ اپنے خیالات کا اظہار حواشی میں کر دیں۔ نقوی صاحب نے تقریباً اسّی مقامات پر حواشی لکھے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خیالات کی توضیح و تشریح ہی نہیں، اُن سے اختلاف بھی کیا گیا ہے جس سے قاری کو متعلقہ مباحث پر مزید غور و فکر کی ترغیب ملتی ہے۔ میں نقوی صاحب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے میری خاطر، اور اس سے زیادہ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے اپنے گہرے مراسم کی بنا پر یہ حواشی لکھے۔ نقوی صاحب نے جو حواشی لکھے ہیں، ان کے آخر میں حرف "ق" درج کیا گیا ہے۔

مشفق خواجہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجزائے کلام

۱ـــــ کلام (بات) دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا مجموعہ ہے، جو مفہوم کے اعتبار سے مکمل ہو، اور جس میں کوئی ایک بات پوری پوری بیان ہو جائے۔

(ا) گفتگو میں ایک بات بھی بیان ہوتی ہے اور ایک سے زیادہ باتیں بھی:

بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اس میں ایک بات بیان ہوئی ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے   مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اس میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک پہلے مصرعے میں دوسری دوسرے مصرعے میں۔ اور یہ دونوں باتیں اپنی جگہ بھرپور یعنی مکمل ہیں۔

(ب) کلام کو ترکیب تام (مرکب تام) اور جملہ بھی کہتے ہیں۔ جملہ، مرکب تام، کلام ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔

(ج) کلام' دو یا دو سے زیادہ کلموں سے وجود میں آتا ہے۔ اس لیے کلمے کو کلام کا جز اور اس کی اکائی سمجھنا چاہیے:

بندگی / میں / مرا / بھلا / نہ / ہوا

اس میں بندگی، میں، مرا، بھلا، نہ، ہوا، کُل چھے لفظ ہیں ان میں کا ہر لفظ کلمہ ہے۔

۲ـــــ 'کلمہ' (بول) وہ لفظ جس سے صرف ایک (مفرد) معنی مراد لیے جائیں۔

(ا) بندگی، میں، مرا، بھلا، نہ، ہوا، چین، اب، تو۔ ان الفاظ سے صرف وہی ایک معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں جن کے لیے یہ وضع ہوئے۔ اس لیے ان میں کا ہر لفظ ایک 'کلمہ' ہے۔

(ب) بندگی میں، مرا بھلا، نہ ہوا۔ یہ دو دو لفظوں کے مجموعے ہیں اور ہر مجموعہ دو مختلف معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کلمے نہ ہوں گے۔ سرپوش، دھکڑ پکڑ، اُڑن کھٹولا، سر اُٹھانا، بھاگ جانا' بھی اگرچہ دو دو لفظوں کے مجموعے ہی ہیں لیکن ہر مجموعے سے صرف ایک معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں

اس لیے ان میں کا ہر مجموعہ (دو لفظی) کلمہ ہوگا۔

(ج) 'لفظ' اور 'کلمہ' ہم معنی ہیں۔ بعض اہل قلم[1] نے ان میں فرق کرتے ہوئے لکھا ہے: لفظ، بسیط یعنی غیر مرکب ہوتا ہے۔ کلمہ مرکب بھی ہوتا ہے اور غیر مرکب بھی۔ 'اُڑن کھٹولا' لفظ نہیں کلمہ ہے۔ کھٹولا لفظ بھی ہے اور کلمہ بھی۔ اس لحاظ سے لفظ اور کلمہ میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔

(د) تنہا ایک بسیط آواز (یا حرف) سے بھی کلمہ وجود میں آتا ہے اور ایک سے زائد آوازوں یا حروف سے بھی جیسے:

آ (نافیہ) پر، پری، پانی، بھگوڑا، چرچراہٹ، استفہامی۔

۳ —— کلمہ کی حسب ذیل پانچ قسمیں ہیں:

اسم، صفت، فعل، متعلق فعل (تمیز)، حرف

(ﻟ) عربی زبان کے قواعد نویسوں نے اسم، فعل، حرف، کلمہ کی صرف تین قسمیں کی ہیں۔ انگریزی قواعد نویس اس کی آٹھ قسمیں بتاتے ہیں:

اسم، ضمیر، صفت، فعل، متعلق فعل، رابطہ، عاطفہ، فجائیہ

اُردو کے مزاج و منہاج کے پیش نظر ضمیر کو اسم میں شامل ہونا چاہیے، اور آخر کی تین قسموں کو حرف ہیں۔ رابطہ، عاطفہ، فجائیہ کے علاوہ بھی حرف کی بہت سی قسمیں ہیں جو اپنے مقام پر بیان ہوں گی۔[2]

(ب) متعلق فعل ترجمہ ہے ADVERB کا۔ بعض اہل علم نے عربی کی تقلید میں اس کے لیے تمیز کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن مفہوم کے لحاظ سے 'تمیز' محدود اور متعلق فعل کے وسیع تر مفہوم سے کسی قدر مختلف ہے۔

(ج) صفت بھی اگرچہ اسم ہی کی ایک قسم ہے، اور اس حیثیت سے جداگانہ اس کا ذکر مناسب نہ تھا، لیکن صفت کا بطور لغت استعمال اور اس کے گوناگوں اصول و احکام اس کے متقاضی تھے کہ 'کلمہ' کی مستقل صنف قرار دے کر اس کا ذکر کیا جائے۔[3]

(د) مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ 'کلمہ' کو مستقل اور غیر مستقل دو بڑے خانوں میں رکھا گیا ہے۔ مستقل کلمہ جسے انگریزی میں FREE FORM کہتے ہیں، دوسرے کلمے کی مدد کے بغیر اپنے معنیٰ

---

(۱) آئین اردو - ص ۳۵

(۲) جسپرسن نے کلمہ کی پانچ قسمیں کی ہیں: اسم، فعل، ضمیر، صفت، حرف (PARTICLE)

(۳) اردو قواعد، ڈاکٹر مولوی عبدالحق

بتاتا ہے ۔ 'کلمہ' کی پہلی چار قسمیں مستقل ہیں۔ غیر مستقل (BOUND FORM) کسی دوسرے کلمے کا سہارا لیے بغیر اپنے معنی نہیں بتاتا۔ جیسے ، سے ، پر ، تک ، اَ ، ان ۔ حروف خصوصاً سابقے اور لاحقے اِسی ذیل میں آتے ہیں۔

اسم
NOUN

۴ ـــــ منصرف یا تغیر پذیر کلمہ ' اسم ' ہے جو تنہا زمانے کے بغیر اپنے معنی بتاتا ہے۔ یہ معنی محسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے، آگ، پانی، مٹی، درخت، گھر، گھوڑا، گرمی، سردی - اور غیر محسوس بھی ' جیسے، ڈر، امید، شرم، ہمت، قسمت، آس، نراس، علم، رعایت۔

(و) عربی قواعد نویسوں کے نزدیک ضمیر اور متعلق فعل (تمیز) اسم میں شامل ہیں۔ اس لیے اُنھوں نے اسم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"وہ کلمہ جو اکیلا اپنے معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے۔"

ضمیر اور متعلق فعل تنہا معنے بھی دیتے ہیں اور ان میں کوئی زمانہ بھی نہیں ہوتا۔ اِس تعریف کی رُو سے وہ حروف بھی اسم میں شامل ہو جائیں گے جو معنی کے لحاظ سے مستقل ہیں یعنی کسی دوسرے اسم کے محتاج نہیں جیسے: کیا، کیوں، کیسے وغیرہ۔

(ب) تغیر پذیر کے معنی ہیں سیاق کے لحاظ سے نت نئے روپ اختیار کرنے والا۔ اسم منصرف تو ہے ' زمانے کا محتاج نہیں۔ فعل منصرف بھی ہے، زمانے کا محتاج بھی۔ متعلق فعل نہ منصرف ہی ہے نہ زمانے کا محتاج ہی۔ حرف منصرف بھی نہیں[1]، زمانے کا محتاج بھی نہیں، تنہا اپنے معنی بھی نہیں دیتا۔

۵ ـــــ ' مانع ' اور ' مطلق ' اسم کی دو بڑی قسمیں ہیں:

' مانع ' وہ اسم ہے، جو متعلق اور مخصوص معنوں کے لیے ہو، اور اس کا اطلاق صرف اُن ہی معنوں پر کیا جائے۔ اس کے مقابلے میں مطلق بطریق تبادل ہر اسم پر بولا جاتا ہے۔ جیسے: وہ، یہ، جو وغیرہ۔ ' وہ ' سے ایک انسان بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور ایک جانور یا پتھر وغیرہ بھی۔

(و) اسم مطلق کو سنسکرت میں سَروِ نام (سب کے لیے) کہتے ہیں۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں:

---

(۱) بعض حروف میں جزوی تغیرات بھی ہوتے ہیں۔ کیسا، کیسی، کیسے۔ اتنا، اتنی، اتنے وغیرہ۔ انھیں منصرف نہیں کہا جا سکتا۔

ضمیر، اشارہ، موصول، کنایات، اعداد

(ب) اسم مانع کی تقسیم افراد کے لحاظ سے بھی کی گئی ہے اور محض ساخت یعنی وضع کے لحاظ سے بھی۔ ان تین اعتبارات سے اسم مانع کی جدا جدا تین قسمیں ہوئیں:

افراد کے اعتبار سے:

اسم خاص (علم)، اسم عام، اسم جنس (مادہ)، اسم جمع۔

معنی کے اعتبار سے:

اسم ذات، اسم صفت، اسم معنی۔

ساخت یا وضع کے اعتبار سے:

جامد (سادہ)، ماخوذ (مشتق)، مرکب

(ج) یہ جدا جدا تین تقسیمیں ہیں اس لیے ان میں تقابل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اسم "اسم ذات" بھی ہو، "اسم عام" ، سادہ یا ماخوذ بھی۔ اسی طرح اسم معنی، اسم عام بھی ہو سکتا ہے، اسم ماخوذ یا اسم سادہ بھی۔ مثلاً گھوڑا، اسم ذات، اسم سادہ اور اسم عام ہے۔ "سیلن" اسم عام، اسم معنی اور اسم ماخوذ ہے کہ "سیلنا" مصدر سے الف گرنے کے بعد بنا ہے۔

۱۔ اسم باعتبار افراد

۶۔۔۔۔ خاص شخص، چیز یا جگہ کا نام جو سننے والے کی اس چیز، شخص یا جگہ کی طرف رہنمائی کرے اسم خاص ہے۔ جیسے:

آدم، نوح، راما، غالب، آتش، شبلی، اقبال، کراچی، راوی، ہندوکش، انجیل، قرآن، زبور، زہرہ، مشتری، آفتاب، چاند۔

(د) اسم خاص ترجمہ ہے PROPER NOUN کا۔ عربی میں "علم" کہتے ہیں۔ بعض قواعد نویسوں نے اسم معرفہ لکھا ہے جو درست نہیں۔

ایک سے زیادہ اشخاص اور اشیا کو کبھی ایک نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن ایک وقت میں جو نام صرف ایک شخص یا چیز پر بولا جائے اور کسی ایک شخص یا چیز پر صادق آئے وہ علم ہے۔ اردو کہاوت ہے: "ناتو اور کاتو بستے پہلے آتے ہیں۔"

۷۔۔۔۔ اسم خاص کی حسب ذیل پانچ قسمیں ہیں:

(۱) نام: عموماً کسی نسبت یا تعلق کے بغیر تعارف کے لیے رکھا جاتا ہے۔ جیسے:

احمد، محمود، راوی، ستلج، چاند، سورج

(۲) کُنیت: اب، ابن، ام، بنت وغیرہ رشتہ ظاہر کرنے والے الفاظ کی ترکیب سے وجود میں آنے والا نام، جیسے: ابوتراب، ابنِ بطوطہ، ام کلثوم

(۳) خطاب: بادشاہ، امیر یا کسی جماعت اور طبقے کی طرف سے صلۂ خدمت کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جیسے: قائداعظم، محسن الملک، نجم الدولہ، اورنگ زیب، شیرِ بنگال۔

(۴) لقب یا عرف: وصف، تعلق یا نسبت کی بنا پر نام کی طرح شہرت پاجاتا ہے جیسے: مرزا نوشہ (غالبؔ)، کلیم اللہ (موسیٰ علیہ السلام)، میر کلو (میر تقی کے صاحبزادے)، پیار کے نام عرف کے ذیل میں آتے ہیں جیسے: اچھے میاں، ستو، ملو، عبدل۔

(۵) تخلص: شاعر کا مختصر نام جو اصلی نام کی جگہ عموماً نظم میں برتا جاتا ہے۔ جیسے: غالبؔ، ناسخؔ، انشاؔ، حالیؔ، شبلیؔ۔

توضیحات:

(و) وہ خطابات اس ذیل میں نہیں آتے جو تعارف کی جگہ تعریف اور تمیز کی جگہ امتیاز کے لیے حکومت کی طرف سے خاص خاص لوگوں کو دیے جاتے اور نام سے پہلے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے: خاں صاحب، خان بہادر، رائے بہادر، سر، ستارۂ پاکستان وغیرہ۔ یہی حال امتیازی القاب کا ہے۔ جیسے مولوی صاحب، ملاجی، منشی جی۔ یہ عمومی القاب و خطابات ہیں۔ لیکن جب یہ خاص طور سے کسی ایک شخص کے لیے استعمال ہوں تو علم ہوں گے۔

عربی میں بعض جانوروں کو ان کے عام نام کی طرح کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً شیر کو ابوالحارث کہتے ہیں۔ اس قسم کی کنیتیں اسم عام ہوں گی۔

(ب) اسم خاص کو عام صفاتی نام کی طرح استعمال کریں تو اس کی جمع بھی بنے گی اور اس سے حسبِ قاعدہ حاصل مصدر بھی ڈھالا جائے گا جیسے: حاتم (بمعنی سخی)، رستم (بمعنی بہادر)، فرہاد (بمعنی عاشق)۔

دل ماہ وشوں میں یُوں لٹایا — اے مہر غضب کی حاتمی کی

بھرے گر رستمی کا دم عدو پر سامنے میرے — جب آئے عشق کے میداں میں ٹل جائے عجب کیا ہے

جگر اوروں کو کیا کہیے عجب پُرغم یہ دونوں سے تھے — جو سچ پوچھو تو اس برداشت میں رستم یہ دونوں تھے

۸ —— اسم عام، وہ اسم ہے جو بے شمار افراد و اشیا پر یکساں طور سے بولا جائے اور باری باری

سب پر صادق آئے۔ جیسے: گھر، گھوڑا، پگڑی، ٹوپی، چھتی، کوٹھا، کوچہ، گھڑی، دروازہ، ندی، دریا، باغ، کمرا، دالان، آنکھ، کان، جوتی، توپ، تلوار، بندوق، پھول، پھل، چٹان، پہاڑ، عقل۔

توضیحات:

(۱) اسم عام انگریزی COMMON NOUN کا لفظی ترجمہ ہے۔ عربی میں اسم کہیں گے۔ بعض قواعد نویسوں نے "نکرہ" لکھا ہے۔ لیکن اسم عام اور نکرہ میں فرق ہے۔

(ب) اسم عام فرد پر صادق آتا ہے۔ اس کے کسی جز، ٹکڑے یا حصے پر نہیں بولا جاتا۔ پورے مکان کو گھر کہیں گے۔ دالان، کمرے یا تنہا برآمدے کو گھر نہیں کہیں گے۔ پایوں، سیروں، پٹیوں کو ملا جلا کر پلنگ کہتے ہیں۔ صرف پٹیوں کو پلنگ نہیں کہتے۔ یہی حال گھڑی، باغ، چٹان، پہاڑ کا ہے۔

(ج) اسم عام عموماً اسم ذات ہوتا ہے۔ خارج میں بے شمار افراد پائے جانے کے باعث اسم عام کو جمع کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

۹ ——— اسم جنس (مادّہ) اس اسم کو کہیں گے جس کے افراد مشخص نہ ہوں اور الگ الگ کر کے انھیں شمار نہ کیا جا سکے۔ دھاتوں کے نام اسی ذیل میں آتے تھے اس لیے انگریزی قواعد نویسوں نے اسم کی اس قسم کو اسم مادہ (MATERIAL NOUN) کے نام سے یاد کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: آگ، پانی، مٹی، ہوا، سبزہ، خوشبو، دودھ، دہی، نمک، مرچ، پسینہ، آٹا، لکڑی، سونا، چاندی، لوہا، جست، تانبا، پیتل، موم، سوت، بلور، کاغذ، پان، نواڑ۔

توضیحات:

(۱) اسم جنس (اسم عام کے برخلاف) کُل اور جُز دونوں پر صادق آتا اور سالم چیز کے ساتھ اس کے کسی حصے پر بھی بولا جاتا ہے۔ لکڑی پورے ڈھیر کو بھی کہیں گے اور ایک لکڑی کو بھی۔ دو من آٹا بھی آٹا ہے اور اس کی ایک چٹکی بھی۔

(ب) اسم جنس کے افراد کو جو در اصل افراد نہیں اجزا ہیں، گنا نہیں جاتا دیا گنا نہیں جا سکتا) اس لیے اس کی جمع نہیں آتی۔ آٹے، سبزے، مٹیاں، خوشبوئیں کہنا درست نہیں۔ اِلّا یہ کہ اسے اسم عام قرار دیں اور کثرت یا تنوّع ظاہر کرنے کے لیے اس کی جمع بنائیں۔ مثلاً کے

ابیات ملاحظہ ہوں:

کھڑے سرو کی طرح چمپا کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ (میر حسن)
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول (میر حسن)
پتوں کی سرد مہری دو مہینے سے جو دیکھی ہے — تو آتے ہیں مجھے ٹھنڈے پسینے دو مہینے سے (ظفر)
"ایک چارپائی کانس کے بانوں سے بنی ہوئی" (طلسم ہوشربا)

خوشبوئی (خوشبو)، مولسری، پسینہ، بان کو اسم عام قرار دے کر ہی ان مثالوں میں جمع لایا گیا ہے۔

۱۰ــــــ جو ایک قسم کی بہت سی چیزوں یا اشخاص و افراد کے گروہ یعنی مجموعے پر بولا جائے اور ان کے کسی ایک فرد پر صادق نہ آئے وہ 'اسم جمع' ہے۔ جیسے: لشکر، انجمن، مجلس، فوج، قافلہ، جماعت، قوم، قبیلہ، رعیت، قطار، منڈلی، ریوڑ، ڈار، جھنڈ، لوگ، اہل، خیل۔

توضیحات:

(ل) اسم جمع لفظاً واحد سہی لیکن ایک سے زیادہ افراد پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اُسے جمع ہونا چاہیے۔ بعض اسما اردو میں جمع نہیں، بعض واحد۔ بعض واحد اور جمع دونوں۔ "لوگ" اور "اہل" اردو میں جمع ہیں:

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں — آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا (غالبؔ)
جلد ان کو بھیجو لوگ جو ہیں کاروبار کے — لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے (انیس)
تمھاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے (آبرو)
کیا امر ہے بت خانے سے نافر ہے برہمن — کیا نہی ہے خود توڑتے ہیں اہل غنا ساز
اس کو دل کا مکان دیتے ہیں — اہل اِس گھر پہ جان دیتے ہیں (میرؔ)
اے اہلِ زراعت تمھیں امداد کو آؤ — لٹتی ہوئی کھیتی کو محمدؐ کی بچاؤ (انیس)

خیل (گروہ) واحد بھی ہے اور جمع بھی:

وہ پاڑوں کی ریلیں غزالوں کے خیل — وہ ارنے کہ گاو زمیں بھی دہیل (صباؔ)
ہے وہ سخی ابن سخی عالم میں ہے جس کا چرچا یہی — دنیا میں خیل آدمی ہے اُس کا ممنونِ کرم (نسیم دہلوی)

قوم، جماعت، دل، انجمن، لشکر، طبقہ، پرا اور ان کے ہم معنی الفاظ مفرد ہیں:

کسی نے اُف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی — نہ ہووے گی مگر آتشؔ یہ انجمن مٹی (آتشؔ)

گرا ناتوانی سے جو وہ امام — پریشاں ہوا اس جماعت کا حال (میر)

"قوم ہیں وہ کل گروہ داخل ہے جو کسی خطۂ زمین میں آباد ہو" (علم معیشت)

ستاریاں سوں زیادہ تھا اُسے دل (ابن نشاطی)

چلی جو کرن تب حرارت کی فوج (غرقی)

(ب) اسمِ جمع کی جمع بنا کر ایک سے زیادہ گروہ یا جماعتیں مراد لی جاتی ہیں:

لاکھوں پرے سوئے گلستاں گرے — ٹوٹ کے مرغانِ خوش الحان گرے

(قدر بلگرامی)

"الگ الگ جماعتیں طالب علموں کی بہ لحاظ عمر کے بنائی گئیں" (سرسید)

"پروردگار کے لشکروں کو کوئی اُس کے سوا نہیں جانتا" (نذیر احمد)

"انجمن کی طرف سے بھی تار بھجوائیے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی" (محسن الملک)

"معاشرے کو علحدہ علحدہ طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے" (اصولِ تعلیم)

"پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اُس شہر میں ہوا" (غالب)

۲۔ اسم باعتبار معنیٰ

۱۱ــــــ معنی پر نظر کریں (جس کے لیے اسم وضع ہوا ہے) تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ محسوس یا موجود فی الخارج یعنی ٹھوس حقائق پر دلالت کرنے والا اسم 'اسم ذات' ہے جیسے: تخت، کرسی، چلمچی، پیالی، پلنگ، چولھا، آگ، پانی، مٹی، دیوار، دروازہ، کھڑکی، کتاب، گھوڑا، گدھا، لشکر، راوی۔

(ل) اسم ذات کو انگریزی میں CONCRETE NOUN کہتے ہیں۔ یہ اسم عام بھی ہو سکتا ہے، اسمِ خاص، اسم جنس اور اسم جمع بھی۔ گھوڑا اسم عام ہے۔ پانی اسم جنس ہے، اور لشکر اسم جمع ہے، راوی اسم خاص۔

۱۲ــــــ جو ذات مع الصفت پر دلالت کرے وہ اسم صفت ہے۔ جیسے: نیک، بد، پاک، خوب، اچھا، بُرا، بڑا، چھوٹا، جوان، بُوڑھا، دُبلا، پتلا، موٹا، چست، سُست، خاکی۔

توضیحات:

(ل) اسم ذات، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، محض ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اسم صفت،

ذات کے ساتھ صفت بھی بتاتا ہے، جو ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اسم صفت سے صفت والی ذات سمجھ میں آتی ہے۔ 'نیک' کے معنی ہیں وہ شخص جس میں نیکی پائی جاتی ہو۔ 'بد' اس ذات کو کہیں گے جس میں بدی یعنی اخلاقی برائی ہو۔

(ب) اسم صفت ذات پر دلالت کرتا ہے اس لیے اسم ہے۔ اس سے صفت سمجھ میں آتی ہے اِس لیے صفت (نعت) ہے۔ جب یہ اسم کے طور پر استعمال ہو تو اس کی جمع بنے گی۔ ذیل کے شعر میں 'اچھا' اِسم ہے:

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے   یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے   (غالب)

'چھوٹا' اور 'دبلا' ذیل کے دو شعروں میں جمع استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بھی اسم ہوں گے:

چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
دیکھو یہی بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں   (انیس)

یاد ہے اے مہر، ان کے دشت و پا کی فربہی
کس طرح دبلے نہ ہوں اتنے ہمارے ہاتھ پاؤں   (مہر)

دردمند اور شرمندہ جیسے خالص صفاتی اسما کی بھی جمع بتائی گئی ہے اگرچہ اب یہ ناپسندیدہ اور غیر فصیح ہے:

منج سار کے کئی ایک بندے مسکین دبلے دردمندے
ہیں تج کرم کے شرمندے ہم راج کرائے راج توں   (غواصی)

۱۳—— جو کیفیت، حالت، وصف یا معنی بتائے اسے اسم معنی کہیں گے۔ جیسے:
عادت، خوبی، برائی، علم، سمجھ، لافانی، رنج، خوف، جزا، سزا، ابتدا، انتہا، دکھ، درد، انجام۔

(د) اسم معنی انگریزی کا ABSTRACT NOUN ہے۔ عام طور سے قواعد نویس اسے اسم کیفیت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ معنی سے مراد وہ صفات ہیں، جو ذات سے الگ نہ ہوں یا ذات کے ساتھ اور اس سے گھل مل کر وجود میں آئیں، تنہا نہ پائی جائیں۔ 'دکھ' دکھی سے الگ نہیں ہوتا، اور درد کو دردمند سے کاٹ کر جدا نہیں کیا جا سکتا۔

۳ - اسم باعتبار ساخت

۱۴—— اسم کی تیسری تقسیم جو لفظ کی ساخت اور اس کی بناوٹ کو سامنے رکھ کر

کی گئی ہے، زیادہ اہم ہے۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ قواعد یا اس کے شعبۂ صَرف کا تعلق لفظ کی ساخت اور اس کی تعمیر سے ہے۔

وہ اسم 'جامد' (سادہ) ہے جس کا صرفی تجزیہ نہ کیا جا سکے۔ جیسے پیڑ، پتھر، دکھ، درد، جڑا، مزا۔ ان کلموں کی اصلیت کا کھوج لگا کر ان کی تاریخ تو بتائی جا سکتی ہے لیکن انھیں دو یا دو سے زیادہ قواعدی ٹکڑوں یعنی کلموں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔

وضاحت :

(ﻻ) یہ صحیح ہے کہ اسم سادہ کسی دُوسرے اسم سے مل کر یا ڈھل کر وجود میں نہیں آتا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ اس سے کوئی دوسرا اسم ڈھالا نہیں جا سکتا۔ اسم سادہ سے نئے نئے کلمے ڈھلے اور نت نئے مرکبات بنے ہیں۔ جیسے: پتھر سے پتھری، پتھریلا، پتھرائی۔ دُکھ سے دکھی، دکھیا، دکھیاری۔ درد سے دردی اور دردمند وغیرہ۔

۱۵ —— قواعدی تجزیہ کے بعد جو اسم دُو (یا دُو سے زیادہ) ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے جن میں ایک اصلی ہو باقی تعمیری، یا جس میں کوئی نئے معنی پیدا کرنے کے لیے اندرونی طور سے کوئی تصرف کر لیا گیا ہو وہ اسم ماخوذ (مشتق) ہے۔ جیسے: چلا (چل + ے ا) چلتا (چل + تا) جلتا (جل + تا) اچلی (ا + چل + ی) چلنے والا (چل + نے + والا) پڑھاکو (پڑھ + ے اکو) پڑھویا (پڑھ + ویا) گویا (گا + ویا) کمتی (کم + تی) بڑھاپا (بوڑھا + ے اپا) چال (چل سے) میل (مل سے)۔

توضیحات :

(ﻻ) "مشتق" اور "ماخوذ" کو عموماً اہلِ قواعد ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مَیں ان میں فرق کرتا ہُوں۔ "مشتق" میرے نزدیک وُہ کلمہ ہے جسے کسی لفظی تصرف کے بعد وضع کیا گیا ہو۔ جیسے: 'چل' سے چال۔ 'جو' سے جَس۔ 'مالی' سے مالن۔ 'مِل' سے میل۔ "ماخوذ" اس کلمے کو کہیں گے جس کے شروع یا آخر میں کوئی حرف (سابقہ یا لاحقہ) اضافہ کیا جائے۔ جیسے: پڑھویا، چلتا، چلنے والا، بڑھاپا، بڑھتی، کمتی۔

(ب) "مصدر" اسم کی الگ (جامد اور مشتق کے مقابلے میں) کوئی قسم نہیں جیسا کہ بعض قواعد نویسوں نے لکھا ہے۔ وہ اسم مشتق ہے جو مادے پر 'نا' کا اضافہ کر کے بنایا گیا ہے۔

۱۶ ـــــ ایک درجے کے دو کلموں کی ترکیب سے وجود میں آنے والا یا تحلیل کے بعد ایسے دو کلموں میں بٹ جانے والا اسم 'اسم مرکب' ہے۔ جیسے: آنکھ مچولی، دیس نکالا، ریل گاڑی، بھلا چنگا، لکھ پتی، پن چکی، مہاجن، لم ٹنگو، رتالو، اڑوس پڑوس۔

توضیحات:

(۱) مرکب اور ماخوذ میں فرق ہے۔ مرکب کے اجزا ایک حیثیت کے ہوتے ہیں۔ دونوں اسم ہوں گے یا ایک اسم ہوگا، ایک صفت۔ ماخوذ کے اجزا ایک حیثیت کے نہیں ہوتے۔ ایک جز اصلی یا بنیادی ہوتا ہے۔ بقیہ فروعی یا تعمیری جن کے عموماً اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہوتے کہ وہ کسی بنیادی کلمے کے ساتھ مل کر ایک نئے بامعنی کلمے کی تعمیر کریں۔

(ب) مرکب کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) دو اسموں سے ترکیب پانے والا: ریل گاڑی، آنکھ مچولی، پن چکی، لکھ پتی، اڑوس پڑوس۔

(۲) ایک اسم اور ایک صفت سے ترکیب پانے والا: مہاجن، رتالو، تل چٹا۔

(۳) دو صفات سے ترکیب پانے والا: بھلا چنگا، بارہ سنگا، دونالی، کلموا، لم ٹنگو۔

(ج) عام طور سے مرکب کی امتزاجی ارتباطی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اور ارتباطی سے اضافی (مضاف، مضاف الیہ) اور توصیفی (موصوف، صفت) قسم کی عام قواعدی ترکیبیں مراد لی جاتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ امتزاجی (JUXTAPOSITIONAL) کو مرکب (COMPOUND) اور ارتباطی کو ترکیب (PHRASE) کے نام سے یاد کیا جائے۔

اسم کے تغیرات اور احوال اس وقت زیر بحث آسکتے ہیں جب مشتق اور مرکب اسما کی تمام قسمیں بیان ہو جائیں۔ اسم کی تشریح، تقسیم، تجزیہ اور تفصیل کے بعد ہی اس کے احوال و اقسام بیان کیے جا سکتے ہیں:

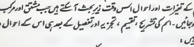

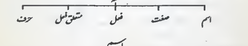

اسم ماخوذ

۱۷ ـــــ اسم ماخوذ کی نو قسمیں ہیں ، مصدر ، حاصل مصدر ، اسم فاعل ، حالیہ ، استقبالیہ ، مصغر ، اکبر ، ظرف ، آلہ ، تمام اور ناتمام ۔ حالیہ کی دو قسمیں ہیں ان کو شامل کرنے سے اسم ماخوذ کی پوری دس قسمیں ہوں گی ۔

توضیحات :

(ل) خاص خاص معانی کے پیش نظر اسم ماخوذ کی یہ نو قسمیں کی گئی ہیں ۔ ماخذ کے لحاظ سے اسم ماخوذ کو دو بڑی قسموں میں رکھا جا سکتا ہے ؛

(۱) فعل سے ماخوذ

(۲) اسم (صفت) سے ماخوذ

مصدر ، حالیہ ، استقبالیہ فعل سے ماخوذ ہیں ، مصغر ، کبر ، اسم ظرف اسم سے ۔ حاصل مصدر ، اسم فاعل اور آلہ ، اسم اور فعل دونوں سے ۔

(ب) فعل سے ماخوذ اسما کا ذکر عام قواعد نویسوں نے فعل کی بحث میں کیا ہے ۔ لیکن یہ اسم ہیں ، اس لیے ان کا ذکر اسم کے ذیل میں ہونا چاہیے ، اور ان پر اسم کے احکام جاری ہوتے ہیں ۔ ان کی تذکیر و تانیث ہوتی ہے ، جمع بنائی جاتی ہے ۔ انھیں گردانا جاتا ہے ۔ اس لیے ان کا ذکر اسم ہی کے تحت کیا جا سکتا ہے ۔ اگر یہ اسم کی قسمیں نہ ہوتیں ، تو ان کے ناموں سے پہلے اسم کا لفظ اضافہ کر کے اسم مصدر ، اسم حالیہ ، اسم فاعل نہ کہتے ۔

(ج) عرب قواعد نویسوں نے اسم مشتق کی ان قسموں کو جو فعل سے ماخوذ ہیں ، شبہ فعل کے نام سے یاد کیا ہے ۔

۱ ۔ مصدر

۱۸ ـــــ فعل سے ماخوذ اسم کی اولین قسم مصدر ہے ۔ یہ حدوث یا صدور فعل پر دلالت کرتا ہے ۔ اس کا فاعل نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی زمانہ پایا جاتا ہے ۔ اس لیے اسے اسم شمار کرتے ہیں ۔ اسم کی طرح

اسس کی تغییر ہی نہیں ہوتی (بلکہ) جمع بھی بنائی جاتی ہے اور اہل دہلی کے نزدیک جب مونث سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت مونث ہو جاتی ہے :

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

۱۹ ـــــ مادہ فعل (یا اسم)[1] کے آخر میں 'نا' (ـے انا ـ یا نا) اضافہ کرنے سے مصدر وجود میں آتا ہے ـ کر سے کرنا ـ پڑھ سے پڑھنا ـ لکھ سے لکھنا ـ برق سے برقانا ـ کھٹ کھٹ سے کھٹکھٹانا ـ لاتی[2] سے لتیانا ـ لاٹھی سے لٹھیانا ـ

توضیحات :

(ا) چونا ، بھتنا ، دیوانا وغیرہ اسما کے آخر میں بھی 'نا' (ـے انا) ہے لیکن یہ فعل کا صدور یا حدوث نہیں بتاتے اور نہ ان کے امر کا لاحقہ مادہ فعل پر اضافہ ہوا ہے اسس لیے یہ مصدر نہ ہوں گے ـ

(ب) 'نا' اصلی مصدر کی علامت ہے ـے انا یا تا وصفی مصدر کی ـ جیسے : برقانا ، لٹھیانا ـ

(ج) 'نا' کی شکل 'ناں' (غنہ سے) قدیم اردو میں مستعمل تھی ـ پڑناں ، جلناں :

خواندن پڑناں بشنوتوں سن دشوار اہیلا (خسرو شاہ)

یہی میں پوچھتا ہوں تجھ سے جاناں کر سوتوں کو ہے کیا حاصل جگاناں (میرسوز)

لاحقہ 'نا' قدیم اردو کے 'ـے ن' (ہند آریائی ANA –) ہے جس میں 'ـے ا' اضافہ کر دیا گیا ہے 'ـے ن' قدیم دکن میں لاحقۂ مصدر کے طور پر مستعمل تھا :[3]

جو چھند بند کے یوں بولن لگی بره کی گره دل سنے کھولن لگی (نصرتی)

بولن لگی یعنی بولنے لگی ـ

اردو میں آج یہ لاحقہ حاصل مصدر ہے ـ

(د) اصلی اور وصفی مصدر کی دو قسمیں ہیں جو پراکرتی (یا عربی فارسی) مادہ فعل سے بنیں

---

(۱) اسم کو فعل کے معنوں میں لے کر لاحقۂ مصدر اضافہ کرتے ہیں ـ

(۲) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مسودے میں پہلے 'لات' اور 'لٹھ' کے الفاظ لکھے تھے پھر انھیں قلم زد کر دیا ـ ـــــ میرے نزدیک پہلی لکھائی ٹھیک تھی ، بلکہ 'لات' کی جگہ بھی 'لت' چاہیے ـ 'لاتی' انفرادی حیثیت سے اسم کی کوئی قسم نہیں ہے ، البتہ ایک مرکب میں یہ بطور جزو دوم پایا جاتا ہے "ٹھکالاتی" اس کا استعمال بھی شاذ ہے ـ (ق)

(۳) یہ شمالی ہند میں بھی پایا جاتا ہے ـ برج اور سندھی میں اب تک مروج ہے :

اشٹن بیٹھن کی طاقت ناں رہی رے (افضل جھنجھانوی) (ق)

وہ اصلی ہیں۔ جیسے: پڑھنا، چلنا، فامنا (عربی فہم سے) اندیشنا (فارسی اندیشہ سے) آزمانا (فارسی آزما سے)

لگیا اندیشنے لا گل کوں ہات (پھول بن)

اصلی مصادر فعل پر 'نا' بڑھانے سے (لازم ہوں) اور 'انا' بڑھانے سے (متعدی ہوں) بنتے ہیں۔

وصفی جنھیں جبلی بھی کہتے ہیں، اسم یا صفت سے ڈھالے گئے ہیں۔ صحیح الذکر کلموں کے آخر میں 'انا' (لاحقہ فعل متعدی) بڑھاکر: برقانا (برق سے)، گرمانا (گرم سے)، کھٹ کھٹانا (کھٹ کھٹ سے)، بڑبڑانا (بڑبڑ سے)، فلمانا (فلم سے)، شرمانا (شرم سے)، فرمانا (فرمودن سے)

معلول الآخر کلموں کے آخر میں 'یانا' (لاحقہ متعدی المتعدی 'انا' کی شکل) بڑھاکر: لتیانا (لات سے)، چھتیانا (چھاتی سے)، لٹھیانا (لاٹھی سے)، چندھیانا (چندھا سے)، ٹھنڈیانا (ٹھنڈا سے)، گڑھیانا (گاڑھا سے)[1]

بعض لازم (نیز متعدی) مادوں کے آخر میں جو 'ا' پر ختم نہ ہوتے تھے 'و' کے بعد 'نا' اضافہ ہوا ہے۔ اس قسم کے مصادر قدیم اردو میں عام تھے۔ آؤنا، جاونا، بلاونا، دکھاونا، کھاونا، چکاونا، لگاونا، بٹھاونا۔

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو (آرزو)

۲۔ حاصل مصدر

۲۰ —— اسم ماخوذ کی دوسری قسم حاصل مصدر ہے۔ یہ مصدر کے ماحصل اور اس کے معنی یعنی عمل پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے: چلن، چال، دکھاوا، میل، ملاپ، بولتی۔

---

(۱) اس پر ہم پہلے اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ اگر اس کلیہ کو کہ 'یانا' اضافہ کیا جاتا ہے تسلیم کیا جائے جو بالکل درست ہے تو پھر اجزائے ترکیبی: لت + یانا، چھت + یانا، لٹھ + یانا، چندھ + یانا، ٹھنڈ + یانا، گڑھ + یانا ہوں گے۔ اس میں معلول الآخر کی شرط لایعنی ہے۔ 'یانا' اور 'انا' تعدیے کے لاحقے ہیں۔ 'وانا' لازم و متعدی دونوں میں مشترک ہے۔ 'انا' 'یانا' اس وقت استعمال ہوتا ہے جب لفظ کا حرف آخر مصمتہ ہو اور اس سے پہلے کوئی حرف علت نہ ہو یا علت کو گرا دیا گیا ہو۔ یہ قاعدہ اسم سے متعلق ہے۔ بعض میں 'انا' اور 'یانا' دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: برقانا، برقیانا۔ (ق)

توضیحات :

(الف) حاصل مصدر فعل سے بھی بنتا ہے اور اسم (صفت) سے بھی۔ جو فعل سے بنتا ہے اُسے اسم مصدر اور جو اسم (صفت) سے بنتا ہے اُسے حاصل مصدر کہتے ہیں۔ لیکن آسانی اس میں ہے کہ دونوں کو ان کے مشہور تر اور واضح نام حاصل مصدر سے یاد کیا جائے۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم[1] نے کیا بھی ہے۔

(ب) حاصل مصدر فعلی سے مصدری معنی (عمل، حالت، کیفیت) سمجھ میں آتے ہیں۔ حاصل مصدر اسمی صفات بناتا ہے۔ تھکن، تھکنے کا حاصل یا حالت ہے، اور سیلن سیلنے کا۔ ڈکیتی، برائی، بڑپن، بڑھاپا، بجل، ضباہت سب صفات ہیں۔

۲۱ —— حاصل مصدر فعلی بنانے کے اردو میں بہت سے طریقے ہیں :

(۱) سادہ فعلی مادے عموماً اردو میں حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں : لوٹ مار، پرکھ، سوچ، پہچان، ڈر، پکار، پکڑ، پھوٹ، تڑپ، ہار، جیت، بکھیر۔

وہ مادے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے مصوتوں کا اشباع ہو یا ان کا ایک مصوتہ ایک دوسرے مصوتے سے بدل دیا گیا : (تُل سے)، تول (اُتر سے)، اتار (چل سے)، چال (مل سے)، میل (جل سے) جول وغیرہ۔[2]

(۲) مادۂ فعل کے آخر میں لاحقہ 'ن' کے اضافے : مرن، چلن، رلن، دُکھن، رہن، سہن، کہن، سُنن، تھکن، مگن، جلن، سیلن، پھسلن۔

(۳) بعض مادوں میں 'ن' کی جگہ اس کی کشیدہ شکل 'ان' اضافہ ہوتی ہے : گزران، اُٹھان، اُڑان، لگان، ڈھلان، تھکان، گھٹان، بڑھان، رلان۔ 'ن' (ان) جیسا کہ عرض کیا گیا سنسکرت لاحقہ 'ن' سے اخذ کیا گیا ہے۔

(۴) مادۂ فعل کے آخر میں 'ا' بڑھا کر : جھگڑا، چھاپا، پھیرا، اُتارا، اُبھارا، کوندا، دھڑکا، پھڑکا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ 'ا' وہی ہے جو سنسکرت میں 'ا' تھا۔

(۵) متعدی مادوں میں 'و' کے اضافے سے جو مادہ فعل کے 'ا' سے مل کر 'او'

---

(۱) عبدالرحیم فرخ

(۲) ان میں خفیف مصوتہ (حرکت مطلقہ یا علت اعرابی) اپنے طویل مصوتے (حرکت اشباعی یا علت حرفی) میں بدل گیا ہے۔ یا قصیر مصوتہ نے طویل مصوتے کا روپ دھارا ہے۔ 'تُل' کا ضمہ واو مجہول میں بدل گیا اور 'تول' بن گیا ہے۔ (ق)

ہوگیا ہے[۱]: اٹکاو (اٹکانا) بچاو (بچانا) چڑھاو (چڑھانا) چھڑکاو (چھڑکانا) دباو (دبانا)
کساو (کسانا) بناو (بنانا) لگاو (لگانا) جماو (جمانا) گھماو (گھمانا)

لاکھوں لگاو ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناو ایک بگڑنا عتاب میں (غالبؔ)

(۶) بُھلاوا، دکھاوا، چڑھاوا، بُلاوا، اُلجھاوا، بہلاوا، پہناوا وغیرہ کلموں کا
'اوا' لاحقہ '-او' کی کشیدہ شکل ہے۔

'-او' (اور اس کی شکل 'اوا') سنسکرت لاحقہ تعدیہ '-اپ + -ک' کی بدلی ہوئی
شکل ہے۔

(۷) مادۂ فعل کے آخر میں '-ت' کے اضافے سے: جُڑت، چاہت، بچت، لاگت،
رنگت (رنگنا سے[۲])، چلت، پھرت، کھپت، دِکھت، گُمت[۳]:

حضرت کے گھر ایک دن گمت تھا (من لگن)

کچھ معلوم نہیں ..... ایک گمت رہیں یا جدا جدا ہوجائیں (باغ و بہار)

'تا' اور 'تی' اِس کی کشیدہ شکلیں ہیں[۴]:

چُھپتی، بھرتی، بڑھتی، گنتی، نپتی، بولتی، گھٹتی، چُکتا۔

'-نت' کو بھی '-ت' ہی کی ایک شکل اور کسی قدر قدیم شکل سمجھنا چاہیے[۵]: لڑنت، گھڑنت، پڑھنت،
بکھرنت، کڑکنت، اکڑنت، بڑھنت۔ سوداؔ نے ایک قصیدے میں یہ تمام خوب صورتی سے
کھپائے ہیں:

تیرے آگے جو وہ کرے اکڑنت

آگے سائل کے تو کرے نیرس اشرفی اور روپے کی یوں بکھرنت

---

(۱) صہبائی نے لکھا ہے کبھی علامت مصدر کو گراکر 'و' زیادہ کرتے ہیں، جیسے لگانا سے لگاو، دبانا سے دباو، بنانا سے بناو وغیرہ۔
(۲) 'رنگنا' خود مصدر وضعی ہے جو 'رنگ' سے بنا لیا گیا ہے۔ 'رنگت' کو مادۂ فعل کے ذیل میں لانا مناسب نہیں۔ (ق)
(۳) 'گمت' مستقل لفظ ہے۔ 'گم' تنہا لفظ نہیں اور 'گمنا' مصدر ہے البتہ 'جمنا' کی مبدلہ شکل خیال کرلی جائے
تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ لیکن اس شکل کا وجود و استعمال نہیں ملتا۔ (ق)
(۴) یہ شکلیں اسما میں بھی ہیں۔
(۵) حاتمؔ نے 'گھٹنت' اور وجہیؔ نے 'چلنت' استعمال کیا ہے:

دو جا میں تو کچھ نہیں گھٹنت (حاتمؔ)

کوئی یو چلنت چتا ہے (وجہیؔ)

جلوہ نظروں میں اس طرح سے وہ دے جوں فلک پر ہو تاروں کی چمکنت
مال یوں روسیہ عدد کا ہو جاہ و دولت کی تیرے دیکھ بڑھنت
مہر کے جوں محل میں آنے سے شب کو آفاق میں لگے ہے گھٹنت
پشہ کر جاوے دیو وو سے لڑنت سامری بھول جاوے اپنی پڑھنت

بعض اہلِ علم نے ان لاحقوں کو سنسکرت لاحقہ حالیہ ناتمام "ے نت" (ANTA-) سے اخذ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں "ے ت" پراکرت "ے تی" اور سنسکرت "تو" سے ماخوذ ہے۔ "ی" کے اضافے سے "تی" وضع ہوا۔ "ن" اضافہ ہوا تو اُس سے ثانوی لاحقہ "ے نت" وجود میں آیا۔

(۸) بعض غریب متعدی مادّوں پر (جن کے آخر میں "ے او" ہے) "ٹ" اضافہ ہوئی ہے۔ اور مادے کے آخری "و" کو "ہ" سے بدل دیا گیا ہے (کبھی یہ "ہ" گرادی گئی ہے):
چکاہٹ (چکاو) بناوٹ (بناو) رکاوٹ (رکاو) سجاوٹ (سجاو) لگاوٹ (لگاو) آہٹ (آو)[1]
"ٹ" سنسکرت وِرت (VRATT-) کی تصیت ہے۔ "ے اوٹ" کی اصل قدیم ہند آریائی "ے اپ + ورت" سمجھیے۔

توضیحات :

(۱) دو رکنی مادّوں میں (جن کے آخر میں "ا" ہے متعدی مادّوں پر قیاس کرکے "وٹ" (ہٹ) کا اضافہ عام ہے: گھبراہٹ، جھلاہٹ، بڑبڑاہٹ، بوکھلاہٹ، مسکراہٹ، تلملاہٹ (تلملاٹ) ببراہٹ (ببراٹ)

"اُچاٹ ہرگز نہیں جاتا تلملاٹ ہرگز نہیں جاتا" (سب رس)

"بادشاہاں کو ببراٹ خوب نہیں" (سب رس)

کلکلاٹ (بے چینی)

"ہماری جدائی کا یو کلکلاٹ اس پر پڑو" (سب رس)

دو رکنی صوت حکائی (ONOMAPOETIC) مادّے اس ذیل میں آتے ہیں۔ ان کا لاحقہ "ہٹ" صوتی تاثر کو پیش کرتا ہے۔

بھن بھناہٹ، کھٹ کھٹاہٹ، بلبلاہٹ، سرسراہٹ، بج بجاہٹ، بھڑ بھڑاہٹ، دھڑ دھڑاہٹ، کچ کچاہٹ۔[2]

---

(۱) حاصل مصدر کے یہ دونوں روپ ہیں تو لیکن ان میں معنوی فرق ہے۔ (ق)

(۲) یہ دو رکنی نہیں بلکہ یک رکنی ہیں جو تکرار ہوتی ہے۔ حکائی صوت کبھی دو رکنی نہیں ہوتی، تکرار سے تسلسل کی کیفیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لاحقہ بھی "ے اہٹ" ہے صرف "ہٹ" نہیں۔ (ق)

یہ مادّے کسی ایک آواز کی تکرار سے بنے ہیں۔

(ب[۱]) یک رکنی حکائی مادوں میں 'ٹا' اضافہ ہوا ہے جو 'ہٹ' کی دراز شکل ہے؛ سنّاٹا، زنّاٹا، بھرّاٹا، فرّاٹا، بھنّاٹا[۲]۔

(۹) متعدی (متعدی المتعدی) مادوں میں 'ائی' نے عموماً جنس کی اجرت یا معاوضے کا اظہار کیا ہے؛ پسائی (پسوائی)، دُھلائی (دُھلوائی)، اُترائی (اُتروائی)، چَرائی (چروائی)، پڑھائی (پڑھوائی)، گھڑائی (گھڑوائی)، چڑھائی، کمائی، لکھائی، ہنکائی۔

قدیم ہند آریائی 'اپ + یہ کا' 'ائی' کی اصل ہے۔

(۱۰) 'ار' (اہر) اور 'س' بھی ندرت کے ساتھ بعض مادّوں میں اضافہ ہوتے ہیں؛ آر (آہر)، جار (جاہر)، جگار (جگنا سے)۔

"یہ سب آنے جانے والے اس رنگ اور ڈھنگ کے لوگ تھے۔ چار اسی آر جار میں بچ گئے۔" (راشد الخیری)

"ایسی جگار میں کون جُرم کی جرأت کر سکتا تھا۔" (محمد شفیع)

ٹُھَس (ٹوٹ سے)، پِٹَس (پیٹ سے)، گھمس (گھم: گرمی)

---

(۱) حکائی مادوں کی بحث میں چند لاحقے رہ گئے ہیں۔

(۲) بعض حکائی مادوں میں 'کار' اضافہ ہوا ہے۔ جیسے: جھنکار (جھن + کار)، چھنکار (چھن + چھوں + کار)، سسکار (سس + کار)، تھتکار (تھو تھو: تھت + کار)، بھنکار (بن + کار)، دھتکار (دھت + کار)، ٹھکار (ٹھ + کار)، چھنکار (چھن + کار)، ٹنکار (ٹن + کار)، کھڑکار (کھڑ + کار)۔

(ہ) بعض مادّوں کے ساتھ 'کار' کی جگہ 'کاری' بھی لگتا ہے: ٹھکاری، دھتکاری، ٹنکاری، تھتکاری، سسکاری وغیرہ۔

(۷) بعض کے ساتھ 'اکا' آتا ہے: چھناکا، دھماکا، چھپاکا، تڑپاکا، کھڑاکا، پٹاکا وغیرہ۔

(و) بعض کے ساتھ صرف 'کا' لگتا ہے: کھڑکا، کھٹکا، ٹپکا، پھڑکا، تھپکا، چھٹکا۔

(ذ) بعض کے ساتھ 'کا' کی جگہ 'کی' بھی لگتا ہے: تھپکی، دھمکی، ٹپکی، بھڑکی، سسکی، پھڑکی۔

(ح) کبھی یہ 'ک' بدل کر 'خ' بن جاتا ہے: پٹاخا، پٹخی۔

(ط) ان میں سے بعض حکائی حاصل مصدر ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں: ٹپکا، پٹاخا، کھٹکا، تھپکی، چھنکا بحیثیت اسم مجرد، آلہ وغیرہ۔ (ق)

(۲) ان میں دراصل 'اٹا' لاحقہ استعمال ہوا ہے صرف 'ٹا' نہیں۔ اور یہ ہٹ کی دراز شکل نہیں بلکہ جداگانہ حیثیت رکھتا ہے؛ گھراٹا، خراٹا، بھنّاٹا، سرّاٹا، بڑاٹا، براٹا میں بھی یہی لاحقہ ہے۔ (ق)

سینے کو یہ کچھ دیکھ زن و مرد نے کوٹا　　　نُقش کو ہجوم آ کے تماشائی کا ٹوٹا　　(سودا)

میرے رشنے سے ماتم دل ہیں　　　سخت نُقس پڑی ہے محفل میں　　(داغ)

'ے ار' سنسکرت 'ہار' سے اور 'س' سنسکرت 'دس' سے لیا گیا ہے۔

۲۲ــــ اسم (صفت) سے حاصل مصدر بنانے کے عام طریقے یہ ہیں :

(۱) صحیح الآخر اسما (صفات) کے آخر میں 'ی' (یاے معروف) کثرت سے اضافہ ہوتی ہے :
چوری ، ٹھگی ، سُستی ، ڈکیتی ، تھڑدلی ، کم ہمتی ، پھپتی ، پھکیتی ، بھل منسی ۔

(۲) الف پرختم ہونے والے اسما (و صفات) پر 'ی' کی جگہ لاحقہ 'ئی' بڑھایا گیا ہے : بڑائی، بُرائی ، گولائی ، چھوٹائی ، مٹھائی ، سگائی (سگا + ئی) :

میرے سوں بھلائی کرے دشمن سوں سگائی　　(وجہی)

لڑکائی (لڑکا + ئی) :

کر لڑکائی تھی مجھ اوپر مسلّم　　(بحری)

'ی' اور 'ئی' قدیم ہند آریائی لاحقۂ تصغیر 'کا' (یا ، ی ، ئی) سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ان پر فارسی 'ای' کا اثر بھی ہے۔

(۳) 'ا' پرختم ہونے والے اسم صفت پر 'ن' بڑھاتے ہیں : اونچان ، نیچان ، چوڑان ، لمبان ۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ 'ن' سنسکرت 'ن' سے لیا گیا ہے ۔

(۴) اسم ذات (صفت) پر 'ات' (یت) کے اضافے سے : بہتات (بہت + ات) بھل منسات (بھلا مانس + ات) ، اپنات ، اپنائیت (اپنا + ات ، یت) ، منات (من + ات) :

"آپس کے من میانے منگوں منات"　　(قلی قطب شاہ)

'تا' اور 'تی' اس کی کشیدہ شکلیں ہیں : مامتا (مام + تا) کمتی (کم + تی) بھاوتا ، بھاوتی۔
'ات' اور اس کی ان کشیدہ شکلوں کو میں سنسکرت لاحقہ 'تو' ہی سے ماخوذ سمجھتا ہوں۔

(۵) اسم (یا صفت) کے آخر میں 'پا' 'پن' (پنا) بڑھا کر جیسے : بچپن (بچہ + پن) بڑپن (بڑا + پن) ، چھٹ پن (چھوٹا + پن)

"جو بڑے بوڑھے ہوں تو ان کے الفاظ سے بڑپن ٹپکتا ہو"　　(حالی)

بہناپا ، بڑھاپا (بوڑھا + پا) چٹاپا (چھوٹا + پا) ، مٹاپا (موٹا + پا) لڑکپن (لڑکا + پن)

لہ دونوں طویل مصوتے ہلکے ہو گئے ہیں۔

دیوانہ پن، گنوارپن، بالک پن:

بالک پن سبی ترونا پھر (جانم)

تیراپن، بیگانہ پن، سچاپن، نورپنا، ادارپنا، جداپن:

بھید جداپن ایک ہے نور (جانم)

وہاں وستا تیراپن ننگا ناپن (جانم)

سچاپن سو نبی پر ہے مسلم (پھول بن)

خدا کا دیدار یا اللہ کوں نئیں دیکھا سو (معراج العاشقین)

نورپنے میں یہ ہیں توٹ (جانم)

'پن' پراکرت 'پنڑ' سنسکرت '۔ تون' سے ماخوذ ہے، جیساکہ ہارنلے نے لکھاہے یا پراکرت 'اپنڑ' اورسنسکرت 'آتمن' (ĀTMAN) سے۔

(۶) الف پرختم ہونے والے اسم (صفت) کے آگے ہٹ (وت، وٹ) بڑھاکر: چکناہٹ، پیلاہٹ، نیلاہٹ، کڑواہٹ، اوداہٹ، بھربھراہٹ، تراوٹ یا تراوت۔

زبس ہوا کو تراوت نے واں کیاہے نثار

شرارِ سنگ میں ہے رشکِ دانہ ہائے انار (سودا)

'ہٹ' کی 'ہ' اکثر گرجاتی ہے 'چکناہٹ' کو عموماً 'چکناٹ' کہتے ہیں۔

'وٹ' اور 'ہٹ' کا تعلق سنسکرت 'وَرِت' یا 'واترِت' سے ہے جو پراکرت میں پہنچ کر 'وت' یا 'وٹ' ہوا۔ 'الف' اصل کلمے کا ہے۔

(۷) بعض اسما (صفات) کے آخر میں 'اس' اضافہ ہوا ہے: مٹھاس (میٹھا + اس) کھٹاس (کھٹا + اس) پھیکاس (پھیکا + اس) بھڑاس، موتاس، ہگاس، بکواس (بکوا + اس) پیاس (پی + اس)

'اس' کی اصل ہے سنسکرت 'ے اپ + اس'۔ الف اصل کلمے کا ہے اس لیے 'س' کی اصل 'وس' قرار دی جاسکتی ہے۔

(۸) اسم ذات (نیز صوت ومعنی) پر 'ک' بڑھا یا گیا ہے: ٹھنڈک، بیٹھک، چنک (چن + ک) اٹک، ٹرڑک (ٹرڑ + ک) تنک (تن + ک) پھٹک (پھوٹ + ک) کھنک، بھبک، دھنک، دھڑک، سنک، تپک (تپ + ک) کھٹک (کھٹ + ک)۔

سڑک (سٹر: چلنا + ک) پھاٹک (پھاٹ + ک) جیسے کلمے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں لیکن یہ اردو میں بطور اسم ذات مستعمل ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اٹک، جھلک، چمک وغیرہ (ک پرختم ہونے والے) کلمے سادہ مادّے نہیں جنھیں اٹکنا، جھلکنا، چمکنا سے 'نا' گرا کر بنایا گیا ہو۔ یہ 'اٹ' جھل، چم اور لاحقہ 'ک' کی ترکیب و اجتماع کا نتیجہ ہیں۔ 'نا' بڑھا کر بعد میں ان سے افعال ڈھال لیے گئے۔ یہ ایک طرح کے اسمی افعال (DENOMINATIC) ہیں۔

لاحقہ 'ک' سنسکرت حالیہ تمام کرت (کیا ہوا) سے تراشا گیا ہے۔ چم کرت۔ چمکت ہوا، پھر چمک۔

تڑاخ (تڑاک)، پڑاخ (پڑاک) کڑاک (کڑاکا) سڑاک وغیرہ کلموں کا 'اک' (اکا) لاحقہ 'ک' کے کھینچنے سے پیدا ہوا ہے۔

"سند ایسی تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض دیکھتے رہ جاتے تھے۔" (فرحت اللہ)

"ملک اخضر نے دو ڑ کر ایک سونٹا کڑاک سے مارا۔" (طلسم ہوشربا)

"کوڑا اٹھا کر سڑاک سڑاک دو ہی ہاتھ مارے تھے کہ انا بلبلا گئی۔"

(۹) بعض اسما میں 'پت' اضافہ ہوا ہے۔ جیسے: گنوارپت، سیان پت۔

یہ سنسکرت 'پت' (مالک) نہیں تو 'اپ' اور 'ت' کا طلاپ سمجھیے۔

(۱۰) عربی اسمائے ذات وصفات پر عموماً 'یت' اور جو 'ی' پر ختم ہوئے ہیں ان کے آخر میں محض 'ت' بڑھائی گئی ہے: قابلیت، کیفیت، خصوصیت، لذتیت، صاحبیت۔

اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اردو میں تلفظ کا دباؤ یا زور عموماً کلمے کے آخری حرف پر ہوتا ہے اس لیے دو رکن کلمے پر لاحقہ اضافہ کرتے وقت کلمے کے کشیدہ یعنی طویل مصوتے قصیر یا مختصر ہو جاتے ہیں۔ جیسے: بڑھاپا (بوڑھا سے بڑھ) لڑکپن (لڑکا سے لڑک)، مٹھاس (میٹھا سے مٹھ)، بچپنا (بچہ سے بچ)، بڑپن (بڑا سے بڑ)[1]۔

۲۳ ــــــ بعض کلمے ایسے بھی ہیں جن پر دو مختلف لاحقے اضافہ ہوئے ہیں۔ جیسے: بڑائی، بڑپن، چھوٹائی، چھوٹاپن، بھل منسی، بھل منسات، مٹھاس، میٹھاپن۔

خاص خاص صورتوں میں ان میں فرق کیا گیا ہے۔ مثلاً عمر یا پیدائش کی برتری 'بڑائی' ہے اور مرتبہ یا درجے کی برتری بڑپن۔ ظاہری یا مادی کمتری چھوٹائی ہے۔ ذہن یا فکر کی کمتری چھوٹاپن۔ مٹھاس شیرینی کو کہتے ہیں۔ میٹھاپن اس کی ایک ہلکی سی کیفیت ہے۔

---

[1] 'بڑا' کا الف گر جانے کی وجہ سے 'پن' کی 'پ' کو مشدد کر دیا گیا ہے۔ گویا 'پ' بدل ہے الف کی۔ ['پ' مشدد کے ساتھ تلفظ شاذ ہے۔ (ق)]

۲۴ ——— عربی میں مصدر اور حاصل مصدر میں فرق نہیں۔ مصدر ہی حاصل مصدر ہوتا ہے ۔ مجرد اور مزید اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ذیل کے مصادر جن کے اوزان درج کیے جا رہے ہیں اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہیں :

(۱) مجرد اوزان :

I	فَعْلٌ	قَتل ، ضَرب ، حَرب ، صَبر
	فِعْلٌ	عِلم ، حِلم ، حِفظ ، عِشق
	فُعْلٌ	حُکم ، عُذر ، شُکر ، قُدس
	فَعَلٌ	طَلَب ، عَمَل ، نَظَر ، بَصَر
II	فَعْلَةٌ	رَحمت ، کَثرت ، فَرحت ، غَیرت
	فِعْلَةٌ	قِلّت ، عِزّت ، رِحلت ، بِدعت
	فُعْلَةٌ	قُدرت ، نُدرت ، سُرعت ، نُزہت
III	فَعال	سَلام ، صَلاح ، فَساد ، بَقا(ء)
	فِعال	خِطاب ، حِجاب ، قِیام ، اِبا(ء)
	فُعال	سُوال ، بُخار ، زُکام ، دُعا(ء)
IV	فَعَلان	مَیلان ، ہَیجان ، سَیلان
	فِعْلان	حِرمان ، عِرفان ، ہِذیان
	فُعْلان	غُفران ، کُفران ، رُجحان
V	فَعُول	قَبول
	فُعُول	حُصول ، صُدور ، نُزول ، دُخول
VI	فَعالَةٌ	سَعادت ، فَصاحت ، شَرافت ، بَلاغت
	فِعالَةٌ	کِتابت ، عِبادت ، خِطابت
	فُعُولَةٌ	صُعُوبت ، سُہُولت ، نُبُوت
VII	مَفْعَل	مَرجَع ، مَطلَب ، مَقصَد ، مَنشا
	مَفْعَلَةٌ	مرحمت ، مسکنت
	مَفْعُلَةٌ	مملکت

ان کے علاوہ فَعلیٰ ، فِعلیٰ ، فُعلیٰ بھی مستعمل ہیں ، لیکن قلّت کے ساتھ ۔ جیسے ، دعویٰ ، ذکریٰ ، بشریٰ ۔ اردو میں عموماً طبقہ پنجم میں طبقہ سوم کے پہلے دو وزنوں میں فرق نہیں کیا جاتا ۔ ساتویں

طبقے کے مصادر کو عربی میں (’م‘ کی وجہ سے) مصدر میمی کہتے ہیں۔

(ب) مزید اوزان:

I	تَفعِیل	تفریح، تقسیم، تعلیم، تذکیر، تانیث (تعیین، تخییل)
	تَفعِلہ	تذکرہ، تفرقہ، تقویت، تعزیت
II	مُفاعِلہ	مقابلہ، مجادلہ، مناظرہ، مشاعرہ
	فِعال	جدال، قتال
III	اِفعال	اِخراج، اِنعام، اِحسان، اِلزام، اِرشاد
	اِفتِعال	اِجتماع، اِقتدار، اِنتظار، اِنتقال
	اِنفِعال	اِنکسار، انفعال، اِنہدام، انضمام
	اِستِفعال	اِستعداد، استغفار، استکبار، استکشاف
IV	تَفاعُل	تناسب، تقارب، تکاثر، تدارک
	تفعُّل	تخیّل، تکبّر، تصوّر، تدبّر، تعیّن

عربی مصادر کے آخر کا ہمزہ اردو میں اس وقت بولا اور لکھا جاتا ہے جب یہ مصادر ترکیب میں واقع ہوں، جیسے، ارتقائے حیات، دُعائے خیر۔

عربی کی ’ۃ‘ (تائے مدوّرہ) اردو میں ’ت‘ لکھی جاتی ہے اور وقف کی صورت میں ’ہ‘ (ہائے مختفی) ہوجاتی ہے۔

ذیل کے چند کلمے ”فعالیہ“ کے وزن پر ہیں:

رفاہیت، صلاحیت، علانیہ۔

ان میں اور ”یّت“ لگا کر بنائے ہوئے کلموں میں جن کی ”ی“ مشدد ہے فرق کرنا چاہیے۔

۲۵ —— اردو میں فارسی حاصل مصدر ہی کثرت کے ساتھ استعمال نہیں ہوئے ہیں فارسی لاحقوں کی مدد سے نئے نئے الفاظ بھی وضع کیے گئے ہیں۔ اردو حاصل مصدر کی طرح ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو مادۂ فعل یا مصدر سے ڈھلے اور حالت یا عمل بتاتے ہیں ان کی درج ذیل تین صورتیں ہیں جو اردو میں رائج ہیں:

(۱) مصدر کے آخر سے علامت ”دن“ یا ”تن“ گرادی گئی[1]: خرید، فروخت، درخواست،

[1] علامت مصدر ”دن“ یا ”تن“ نہیں گرتی بلکہ حرف ”ن“ گرادیا جاتا ہے۔ فارسی مصدر کے آخر میں ”ن“ سے ماقبل ”د“ اور ”ت“ بہر طور جزوِ مادہ ہی ہے۔ فارسی میں یہ صوتی تبادل کا نتیجہ یا مادوں کے دوہرے رُوپ کی بدولت وجود میں آئے ہیں۔ نگاشتن، نگاردن، گشتن، گردیدن چنانچہ ’گشت‘ اور ’گردش‘ دونوں حاصل مصدر ہیں اور دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ (ق)

بازیافت ، دریافت ، شکست ، آمد۔

(۲) امر پر 'ش' بڑھا دیا گیا: شورش ، سوزش ، نازش ، پرورش ، آزمائش ، گردش ، دانش ، بینش۔

(۳) ماضی کے آخر میں 'ار'[1] اور امر کے آخر میں 'اک' اضافہ کر دیا گیا: کردار ، رفتار ، گفتار ، دیدار ، خوراک ، سوزاک ، پیچاک ، پوشاک۔

(ب) جو اسم (صفت) پر درج ذیل لاحقے بڑھا کر بنائے گئے اور صفات کا اظہار کرتے ہیں[2] ان کی بھی تین ہی صورتیں اردو میں عام ہیں :

(۱) 'ی' یا 'گی' ہر اسم یا صفت پر اضافہ کی جاتی ہے : نیکی ، بدی ، دوستی ، دشمنی ، نادانی ، خدمت گاری ، بے نیازی۔

(۲) 'ائی' جو الف پر ختم ہونے والے اسم (صفت) پر بڑھائی جاتی ہے : دانائی ، برنائی ، آگاہی ، صفائی ، زیبائی ، بینائی ، بے گناہی ، گجرائی۔

(۳) 'گی' عموماً 'ہ' پر ختم ہونے والے الفاظ پر بڑھائی گئی ہے : زندگی ، بندگی ، دیوانگی ، تازگی ، روانگی ، ادائیگی ، کرختگی۔

'ی' اور 'ای' پراکرتی لاحقے بھی ہیں اس لیے ان کا چلن اُردو میں زیادہ ہے اور کبھی کبھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ پراکرت سے لیے گئے ہیں یا فارسی سے[3]

۳۔ اسمِ فاعل

۲۶ —— اسم ماخوذ (مشتق) کی تیسری قسم 'اسم فاعل' ہے۔ یہ کام کرنے والے یا کسی حالت ،

---

[1] یہاں 'تار' نہیں بلکہ 'ار' بڑھایا گیا ہے۔ (ق)

[2] (۱) فارسی کے مرکب حاصل مصدر کا ذکر بھی ضروری تھا۔ ماضی + امر ، جیسے ، گفتگو ، جستجو۔ اسی طرح : نمود و نمائش ، آمد و رفت ، دوا دو ، روا رو ، روا روی ، کردار و گفتار ، دوا دوش وغیرہ اسی ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

(ب) 'ی' مرکبات (اسم فاعل وغیرہ) کے آخر میں بڑھا کر بھی حاصل مصدر بنایا جاتا ہے : عہد شکنی ، تیزروی ، بسیار خوری ، کردار نگاری ، جہانبانی ، حکمرانی وغیرہ۔

(ج) 'ی' اسم (صفت ، حالیہ ناتمام) پر بھی اضافہ کر کے حاصل مصدر بنا لیا جاتا ہے : 'رواں' سے 'روانی' ، 'تاباں' سے 'تابانی' ، 'دواں' سے 'دوانی' (بحالت ترکیب 'اسپ دوانی') وغیرہ۔ (ق)

صفت یا کیفیت رکھنے والے شخص (یا چیز) پر دلالت کرنے کے لیے کلمے پر لاحقہ لگا کر بنایا جاتا ہے۔ 'چرانے والا' اسم فاعل ہے اور 'چور' اسم صفت۔

۲۷ــــ اوّل اوّل مصدر پر ('نا' گرا کر یا اس کے الف کو 'ے' سے بدلنے کے بعد) 'ہار'، ہارا (ہاری، ہارے، ہاریاں) اضافہ کر کے اسم فاعل بنایا گیا: سرجن ہار (سرجنا: پیدا کرنا)، بوجھن ہار، دیون ہار، رہن ہار، سمجھن ہار۔ دینے ہارا، کرنے ہارا، پڑنے ہارا[1]

خالق باری سرجن ہار (خسرو شاہ)

خوبی و بدی سب کے بوجھن ہار سو توں

انصاف ہر ایکس کا دیون ہار سو توں (قلی قطب شاہ)

یہ عمارت ماٹی پتھر کی عمارت کچ رہن ہاری نہیں (وجہی)

تجہ کوں سمجھن ہارا سو یو عارف الوجود (جانم)

چو تھا تن عارف الوجود اسے جبریل دینے ہارا (خواجہ بندہ نواز)

پھر یا تو اسے منع کرنے ہارا کون ہے (وجہی)

جو ٹوٹتے ہیں چمن کے پھول سارے

خزاں کے ہاتھ میں ہیں پڑنے ہارے (ابن نشاطی)

وضاحت:

'ہار' (ہارا) سنسکرت 'دھار' (دھر: رکھنا) سے ڈھلا ہے اور 'والا' سنسکرت پالک: محافظ سے۔

قدیم اُردو میں 'ہار' بھی بطور لاحقۂ فاعل استعمال ہوا ہے۔ اہل علم اسے 'وال' کی پیداوار اور ایک بدلی ہوئی شکل بتاتے ہیں۔ (وال: ہال: ہار)

جن تم کیتا کرن ہار (جانم)[2]

۲۸ــــ آخر آخر مصدر پر الف کو 'ے' سے بدل کر 'والا' (والی، والے، والیاں) کا اضافہ

---

[1] آج بھی زبان میں یہ بعض الفاظ میں پایا جاتا ہے: ہونہار [ہون (ہونا) ہار]، کھیون ہار، مرن ہارا، کھیون ہارا، بالخصوص گیتوں، دوہوں وغیرہ میں اکثر ایسے الفاظ برتے جاتے ہیں جن میں یہ لاحقہ موجود ہے۔ (ق)

[2] ڈاکٹر صاحب کے مسودے میں "... ہار (جانم) تک کا حصہ نمبر ۲۸ میں شامل تھا۔ یہ بحث چونکہ ۲۷ سے متعلق ہے اس لیے نمبر ۲۷ کے تحت اسے درج کیا گیا ہے۔ (ق)

ہوا جو آج بھی اردو میں عام ہے :

تمے غیب کے جاننے والے ہیں (نوسرہار)

۲۹—— حالیہ ناتمام بھی اسم فاعل کی جگہ اور اس کے معنوں میں بولا جاتا رہا ہے۔

خدا قادر، خدا حاضر، خدا ناظر، خدا سکتا۔ (وجہی)

سنتا دیکھتا بولن ہار

۳۰—— اسم فاعل کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول میں وہ تمام صیغے شامل ہیں جو مادہ فعل سے ڈھلے اور درج ذیل لاحقوں کی مدد سے بنے ہیں :

(۱) ےا (سنسکرت یک) : جُوتا، تولا، جھلا، اچکا (اُچک + اَ)۔

یہ زیادہ تر اسم اور مرکب کے آخری جز پر اضافہ ہوا ہے، جیسے : بھوکا، پیاسا، ہنگاسا، اٹنگا، اٹھوانسا، بھڑبھونجا، بڑھ بولا۔

(۲) ےاک (ےاکو) : تیراک، لڑاک، لڑاکو، پڑھاکو، اڑاکو۔

(۳) "ےؤ" (مذکر) —ـوُ (مونث) ےاؤ : کھاؤ، بگاڑؤ، جھاڑؤ (جھاڑنے والا) چِکّو (چگّو) بکّو (بکّو) بکاؤ، جلاؤ، اڑاؤ۔

"ےاک" سنسکرت "آپک" یا پراکرت "اک" سے لیا گیا ہے اور "ےؤ" "سنسکرت "یک" سے۔ "ےاکو" میں یہ دونوں لاحقین جمع ہو گئے ہیں۔

(۴) "وا" (سنسکرت یک) : دیوا (دے + وا) ، لیوا (لے + وا)

یہ لاحقہ اسم پر بھی اضافہ ہوا ہے اور لاحقہ تصغیر بھی ہے۔ کچھوا (کچھ + وا) ، بھڑوا (بھاڑ + وا) ، تلوا (تل + وا)

(۵) وال (والا) : رکھوال (رکھ + وال) رکھوالا۔ دوال (دے + وال) :

علی پور آب وایم تیرے رکھوال (قلی قطب شاہ)

(۶) واہا (والا کی ایک شکل) : چرواہا (چر + واہا)۔

(۷) ویّا (وا + ےای) : پڑھویّا، گویّا، بٹویّا[1]

۳۱—— قسم دوم ان اسما پر مشتمل ہے جن کے آخر میں ذیل کے لاحقے اضافہ ہوتے ہیں :

(۱) ےال ےالا (وال یا والا کی تخفیف) بجالا (بج + ےالا) جیالا (جی + الا)

---

[1] یہ مرکب لاحقہ نہیں ہے اس کی دو شکلیں ہیں : (۱) "ایّا" (چلیّا، پھریّا، لکھیّا، پڑھیّا وغیرہ) (۲) "ویّا" (گویّا، پڑھویّا، کھویّا وغیرہ) ان میں "و" علتی اور تعدیے کا ہے، اصلی نہیں۔ اس لیے لاحقہ صرف "ایّا" ، "ےیّا" ہی بنتا ہے۔ (ق)

گھیار گھی + ے ال)، غُصالا (غصہ + ے الا)

غصالا ہبوت ہے اول تے اوشاہ (پھول بن)

'یل' کو اس کی ایک شکل سمجھنا چاہیے۔ مریل، کڑیل، گھایل۔

جس نے بھگتے ہوں ترکی و تازی
ایسے مریل سے کیا بدے بازی (اسمٰعیل میرٹھی)
نہ احباب کی تیغِ احساں سے گھایل[2] (حالی)

(۲) ہار، ہارا، ہاری (سنسکرت دھار)؛ پنہارا (پانی + ہارا) لکڑ ہارا (لکڑ + ہارا)

(۳) 'ار' 'اڑ' 'اڑی' ('ہار' کی تخفیف) کھلار، کھلاڑ، لکھاڑ، کھلاڑی

میں اسلم کی بتی کو کرتا ہوں پیار
بہت صاف ستھری بڑی ہے کھلار (اسمٰعیل میرٹھی)
رنگ اس کا جا تو۔ لا کے جو سہ
کھیلی وہ کھلاڑ بازی بد کر (نسیم لکھنوی)

اس کی ایک شکل 'ے وڑ' (ے وڑا) بھی ہے۔ ہنسوڑ، بچوڑا، بھگوڑا

میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

(۴) 'یا' (سنسکرت ے کا)؛ دودھیا (دودھ + یا)، دُکھیا (دُکھ + یا) دوالیا (دوالا + یا)

(۵) یارا، یاری (ے یا + ے ار)؛ گھسیارا (گھاس + یارا) بھٹیارا (بھٹی[3] + یارا)

(۶) ے یل (یائے لین)؛ دُودھیل، دنتیل (دانت + یل)، دییل؛

بیل ہے پر نہیں کسی کا دییل
کرتا اوروں کی غمگساری ہے (اسمٰعیل میرٹھی)

(۷) 'ے یل' ے یلا (یائے مجہول و معروف)، غُصیل، غصیلا، چھبیلا، رنگیلا، گٹھیلا، رسیلا، نکیلا (ناک + ے یل)[4]

---

[1] 'ل' ایک آریائی لاحقہ ہے جو مختلف اعرابی علتوں کے ساتھ مختلف معنی کے لیے تمام آریائی زبانوں میں مروج ہے۔ 'یل' کے ساتھ 'یلا' کا ذکر بھی ضروری تھا، جیسے، زہریلا، گٹھیلا، جڑیلا وغیرہ (ق)

[2] صحیح گھایل (ی سے) ہے۔ حالی سے گھائل (ہمزہ سے) باندھا ہے۔

[3] یہ 'بھٹ' سے بنا ہے، 'بھٹی' سے نہیں۔ 'بھٹ' 'بھٹی' 'بھٹا' بھی ہے۔ (ق)

[4] 'ے یلا' چاہیے 'نکیلا' ... (ناک + ے یل) موجود ہے۔ (ق)

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا ‏ ‏ ‏ ‏ لے گئی دل کو بانکی ترچھی ادا (میر سوز)

یہ لاحقے پراکرت "اِل" کی مختلف شکلیں ہیں۔

(۸) "۔یرا" (۔یلا کی ایک شکل)؛ لٹیرا (لوٹ + ۔یرا) کمیرا (کام + ۔یرا) سپیرا (سانپ + یرا) کسیرا (کانسا + ۔یرا) گھنیرا (گھن + ۔یرا)

(۹) 'ہرا'، 'ہری'، 'ہلا'، 'ہلی' (سنسکرت دھار)؛ سُنہرا، سنہری (سونا + ہرا، ہری) روپہلا، روپہلی (روپا + ہلا، ہلی)۔

(۱۰) "۔کڑ" (پراکرت ۔کٹ)؛ بھلکڑ (بھول + ۔کڑ) بجھکڑ (بوجھ + ۔کڑ) کدکڑ (کُود + ۔کڑ) پیکڑ (پی + ۔کڑ) چدکڑ (چود + ۔کڑ)

یہ لاحقہ فعل اور اسم میں مشترک ہے۔

(۱۱) "۔الو" (۔ال + ۔و)؛ جھگڑالو (جھگڑا + ۔الو) رسالو (رس + ۔الو) لجالو (لجا + ۔الو) ندرالو (ندرا + ۔الو)[۱]

(۱۲) "۔یت" (پراکرت ۔اِنت)؛ لٹھیت (لٹھ + ۔یت) ڈھلیت (ڈھال + ۔یت) کڑکیت (کڑکا + ۔یت) پھکیت (پھانک + ۔یت)[۲]

۳۲ ——— فارسی اسم فاعل کے صیغے بھی، جو اُردو کی طرح لاحقوں کی مدد سے بنتے ہیں، اردو میں عام ہیں:

(۱) ور (آور)؛ بہرہ ور، طاقت ور، جانور، سخن ور، شناور، زور آور[۳]

(۲) کار؛ دستکار، فن کار، صنعت کار، پُرکار۔

(۳) گر (گار)؛ زرگر، کاری گر، کام گار، خدمت گار، گناہگار[۴]

(۴) گیں؛ غم گیں، شرم گیں، خشم گیں۔

(۵) ناک؛ دردناک، شرم ناک، غم ناک، ہولناک، غضب ناک۔

---

[۱] مثالوں کے تجزیے میں تسامح واقع ہوا ہے۔ علی الترتیب: جھگڑ، لج، ندر پڑھیے اور لاحقہ '۔الو' ان کے ساتھ لگائیے۔ (ق)

[۲] مثالوں کے تجزیے میں یہاں بھی تسامح ہوا ہے۔ علی الترتیب: ڈھل، کڑک، پھک (پھنک) پڑھیے اور ان کے ساتھ '۔یت' لاحقہ لگائیے۔ (ق)

[۳] 'ور' اور 'آور' میں خاصا فرق ہے۔ اردو میں اس کا ایک تلفظ 'زوراور' بھی عوام میں مروج ہے۔

[۴] 'گر' اور 'گار' میں فرق کرنا چاہیے تھا۔ (ق)

(۶) مند : دولت مند، سُودمند، بہرہ مند، ہوش مند، عقل مند۔

(۷) چی : (ترکی لاحقہ) خزانچی، باورچی، مُشعَل چی[1]

(۸) ا : دانا، بینا، توانا، گویا، پزیرا، جویا۔

امر حاضر کے آخر میں "ندہ" بڑھا کر بنایا جانے والا اسم فاعل قیاسی بھی اردو میں مستعمل ہے:

پرندہ، درندہ، آیندہ، روندہ، جوئندہ، یا بندہ۔

۳۳ ——— عربی اسم فاعل اور اس کے مختلف صیغے کم سے کم معیاری ادبی اردو میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں:

(۱) بیشتر فاعل کے وزن پر: جاہل، قاتل، عالم، تاجر، ماہر، صابر، شاکر، وافر، خاص، عام (عربی میں 'ص' اور 'م' مشدّد) قائم، قائل۔

صفت مشبہ کے ان صیغوں کو بھی اسی ذیل میں رکھیے جو اردو میں اسم فاعل کی جگہ صفت کے طور پر بولے جاتے ہیں:

(الف) 'فعیل' کے وزن پر: فصیح، بلیغ، علیم، نظیر، کفیل، بصیر، شکیل۔

(ب) 'فعّال' کے وزن پر: سلّاج، بزّاز، قنّاد، دلّاک، فصّاد، خلّاق، فرّاش، عطّار، غسّال، قصّاب، سقّا (ء)۔

(۲) کثیر ذیل کے اوزان پر جن کے شروع میں 'م' مضموم اور ماقبل آخر حرف مکسور ہے:

مُفعِل: مکرم، مقبل، منصف، مشیر، مطیع[2]

مُفتَعِل: مشتعل، محتسب، مجتنب، مجتہد۔

مُنفَعِل: منصرم، منکشف، منکسر، مندمل۔

مُستفعِل: مستعد (مستعدد)، مستقیم[3]

مفاعل: مقابل، مجاہد، مراقب، موافق، مخالف۔

متفاعل: متقابل، متحارب، متشاکل۔

متفعّل: متصرف، متبدل، متوجہ۔

---

[1] اردو میں اس کا ایک تلفظ "مشالچی" "مشعلچی" بھی ہے۔ یہ لفظ مُشعَل، میم کے زبر سے ہے، میم کے زیر کے ساتھ 'مِشعَل' بالکل غلط ہے۔ (ق)

[2] مکرم، مشیر، مطیع کو اس ذیل میں لانا مناسب نہیں۔ مومن، محسن، مرشد، مشرک، مشفق وغیرہ اسی وزن پر ہیں۔ (ق)

[3] ان سے زیادہ مستعمل یہ الفاظ اسی وزن پر ہیں: مستقبل، مستنفذ، مستفسر، مستشرق وغیرہ۔ (ق)

۴ - اسم حالیہ

۳۴ ——— اسم حالیہ وہ اسم (صفت) ہے جو فعل کے معنی بتانے کے ساتھ اُس کے اختتام پذیر ہونے یا جاری رہنے پر بھی دلالت کرے: چلتا، دوڑتا، نکلتا، کھلا، پڑھا، بھولا، بھٹکا۔

(و) 'حالیہ' انگریزی 'PARTICIPLE' سنسکرت 'کرونت' کے ہم معنی جدید اصطلاح ہے جسے غالباً سب سے پہلے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے استعمال کیا۔ 'تمام' اور 'ناتمام' 'حالیہ' کی دو قسمیں ہیں۔ 'حالیہ تمام' فعل کا اختتام بتاتا ہے اور 'حالیہ ناتمام' اس کا عدم اتمام یا اجرا۔ کُھلا کے معنی ہیں کھل چکا اور چلتا کے معنی ہیں جو چل رہا ہے اور جس کے چلنے کا عمل جاری ہے

(ب) حالیہ میں بیک وقت تین کلموں یعنی اسم، فعل، صفت کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ صفت والی ذات پر دلالت کرنے کے علاوہ لغت کی طرح دُوسرے اسم کی تخصیص بھی کرتا ہے، جیسے، چلتا پرندہ، دوڑتا گھوڑا، بھولا بھٹکا مسافر، پڑھا لکھا آدمی، اور ساتھ ہی معنی فعل کا اتمام یا عدم اختتام بھی بتلاتا ہے۔

۳۵ ——— مادہ فعل کے آخر میں "تا" (تی، تے) بڑھانے سے حالیہ ناتمام اور "ا"، "ی"، "ے" بڑھانے سے حالیہ تمام وجود میں آتا ہے۔ کُھلتا (کُھل + تا)، کُھلتی، کُھلتے حالیہ ناتمام ہے، کُھلا (کُھل + ا) کُھلی، کُھلے حالیہ تمام۔

ہم پکاریں اور کُھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کُھلا (غالب)

(د) مادے کے آخر میں 'ا' یا 'و' ہو تو حالیہ تمام بنانے کے لیے "یا" بڑھایا جائے گا: 'کھا' سے 'کھایا'، 'لا' سے 'لایا'، 'کھو' سے 'کھویا'، 'سو' سے 'سویا'۔

جمع (یا تغیر) کی صورت میں 'ی' ہمزہ سے بدل جائے گی: کھائے، کھوئے، لائے، سوئے، بوئے، روئے۔

"مرنا" کا حالیہ تمام 'مرا' یا 'موا' (مُئیا[1])، 'کرنا' کا 'کرا' (غیر فصیح) یا کیا (کیتا)، 'دینا' کا 'دیا' (دیتا)، 'جانا' کا 'گیا' خلافِ قاعدہ نہیں، مختلف الفاظ اور مختلف

---

[1] اس کا تلفظ و املا 'مویا' بھی ہے ۔ مذکورہ حالیہ تمام مصادر کے دُوسرے روپ سے وجود میں آئے ہیں: موا، میا، مویا (مونا: مرنا سے)، کیا، کیتا (کیتا، کیناں (قدیم) سے)، دیتا 'دینا' ہی سے بنا ہے اور گیا، جانا سے تبادل اصوات کی بدولت ہے، اصل میں 'جایا' سندھی کی وجہ سے 'گیا' بن گیا ہے ۔ (ق)

طریقوں سے بنتے ہیں[1]

مبارک نانوسوں تیرے ٹیا کو پھر جلایا ہے   (علی نامہ)

(ب) 'حالیہ' کی دونوں قسموں پر 'ہوا' ('ہونا' کا حالیہ تمام) بڑھا کر نکلتا ہوا، کھلا ہوا، نکلا ہوا کہتے ہیں۔ اس صورت میں حالیہ ناتمام سے کبھی اس کے اپنے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

ابلتا ہوا اور مچلتا ہوا

کبھی اسے حالیہ تمام کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دمکتا ہوا[2] چہرہ کے معنی ہیں دمکا ہوا یعنی روشن چہرہ۔

اردو قواعد نویس عموماً حالیہ تمام کو شاید اس وجہ سے کہ اس کی نسبت مفعول کی طرف کی جاتی ہے (کھلا دروازہ = کھولا گیا[3] دروازہ) اسم مفعول کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس امر کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ فعل لازم کا مفعول نہیں ہوتا۔ کھلا، نکلا، چلا، حالیہ تمام تو ہو سکتے ہیں اسم مفعول نہیں ہو سکتے۔

(ج) حالیہ ناتمام کا 'تا'، سنسکرت "ورتمان کالک کردنت" (PRESENT PARTICIPLE) کے لاحقہ "نت" (ANTA -) سے (ن کی تخفیف اور 'ت' کی تمدید کے بعد) اور حالیہ تمام "بھوت کالک کردنت" (PAST PARTICIPLE) 'کرت'، 'پٹھت' سے (ت کو 'ا' سے اور

---

[1] 'کرا' کر سے۔ کیا، کیتا' کرتے سے۔ 'گیا' گئے سے یا 'دیتا' دتہ سے۔ 'موا' 'مُیا' مرتے سے اخذ کیے گئے ہیں۔

[2] 'دمکتا ہوا' حالیہ ناتمام ہی ہے، چہرہ کی صفت کے طور پر آنے کی وجہ سے حالیہ تمام کا تسامح ہوا ہے۔ (ق)

[3] 'کھولا گیا' نہیں بلکہ 'کھلا ہوا' جو 'کھلنا' سے بنا ہے۔ اس قسم کے مصادر کو طور مجہول کے ذیل میں خیال کرنا چاہیے کیونکہ ان کا فاعل بمنزلہ مفعول ہوتا ہے۔ 'دروازہ کھلا' میں 'دروازہ' فاعل ہے لیکن فی الحقیقت کھلنے کا فعل خود اس پر صادر ہو رہا ہے وہ فعل بجا نہیں لا رہا۔ اس کا فاعل مجہول یا معدوم ہے۔ دراصل ان میں حالت یا کیفیت کا اظہار ہوتا ہے عمل کا نہیں۔ اس لیے ایسے مصادر اور ان کے مشتقات میں فاعل و مفعول کی بحث نہیں ہو سکتی۔ ان کو طور مجہول صرف فاعل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ ان کو 'معمولی مصادر' کہنا زیادہ مناسب ہے۔ 'دروازہ کھلا' میں دروازہ 'معمول' ہے، مفعول نہیں۔ اس پر کھلنے کا عمل ہوا ہے۔ عمل اور فعل میں فرق ہے۔ عمل داخلی اور خارجی دونوں پہلو رکھتا ہے اور فعل صرف خارج سے متعلق ہے۔ اسی مثال میں 'دروازہ' خود بھی کھل سکتا ہے یہ داخلی پہلو ہوگا، اسے کوئی کھول بھی سکتا ہے یہ خارجی پہلو ہے۔ 'میں آیا' میں 'آیا' فعل ہے جسے میں نے انجام دیا۔ ابھی اردو قواعد کے کثیر مباحث دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔ (ق)

ماقبل زیر کو 'ی' سے بدلنے کے بعد) ڈھالا گیا ہے۔ پٹھیت = پٹھیا = پڑھیا = پڑھا۔ اس کے مختلف ملتے ہیں۔ "اُسے پہلے کی 'ی' ماضی کے صیغوں میں آخری دور تک موجود تھی:

دہیا تھا آج لگ نا پھانک کیر کہیں
پڑیا تھا چھانو جو تجھ پانو تل میں (ابن نشاطی)
ترا بگنتم میں تجھ کہتا کجا باندی توں کرت رہتا (خسرو شاہ)

ماضی اور حالیہ میں فرق کرنے کے لیے غالباً 'ی' کو حذف کر دیا گیا۔

(د) وہ سبق پڑھتے پڑھتے[1] } سوگیا
" " " } سوجاتا ہے
" " " } سوجائے گا

ان جملوں میں حالیہ بطور فعل استعمال ہوا ہے، سبق اس کا مفعول ہے۔ زمانے سے یک گونہ تعلق بھی ہے لیکن حالیہ (پڑھتے) سے کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہوتا۔ ایک نامعلوم اور مبہم سی زمانی معیت سمجھ میں آتی ہے اور بس۔ اس لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ حالیہ میں زمانہ پایا جاتا ہے یا حالیہ اپنی ذات سے زمانے پر دلالت کرتا ہے۔

مصدر اور حالیہ کے استعمالات اور ان کے رشتے اور تعلقات نحو کے ضمن میں آتے ہیں جہاں ان پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

۳۶ ——— حالیہ تمام کی جگہ اُردو میں عربی اسم مفعول کے جو اوزان استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

مفعول : مجبور، مسرور، معشوق، مخصوص، معلوم، منظور
مفعل : مصحف، مکرم، مدرک
مفتعل : معتمد، مستند، مشترک، محترم، مقتضیٰ، منتہیٰ
مفعّل : مصور، مرتب، ملخص، مقدم، موخر، مکرم
متفاعل : متعارف، متاخر
مفتعل : مستزاد، مستثنیٰ

---

[1] "پڑھتے پڑھتے" میں تکرار نے استمراریت پیدا کی ہے اور استمراریت نے فعل کا تصور دلایا ورنہ فی الحقیقت یہ حالیہ استمرار ہے۔ سبق موصوف یا معمول بنے گا مفعول نہیں۔ جملے کا فاعل "وہ" اور فعل "سوگیا" ہے۔ "وہ" سبق پڑھنے کی حالت استمرار میں تھا۔ اس لیے "سبق پڑھتے پڑھتے" حالتِ استمرار ہے۔ اس میں فعل اور مفعول کا اصطلاحی تصور درست نہیں۔ (ق)

۳۷ ـــــــ فارسی اسم مفعول اور اسم حالیہ کے درج ذیل صیغے بھی حالیہ (تمام و ناتمام) کے طور پر اردو میں برتے گئے ہیں :

(۱) رمیدہ ، دمیدہ ، رسیدہ ، کشتہ ، دزدیدہ ، خوابیدہ ، فرمودہ ۔ یہ ماضی مطلق پر "ہ" بڑھانے سے بنے ہیں ۔

(۲) خنداں ، گریاں ، سوزاں ، رواں ، دواں ، بریاں ۔ یہ امر حاضر پر "اں" بڑھا کر بنائے گئے ہیں ۔

۵ - استقبالیہ

۳۸ ـــــــ اسمِ ماخوذ کی یہ وہ قسم ہے جس کا اردو قواعد نویسوں نے ذکر نہیں کیا ۔ اس کو (حالیہ کے مقابلے میں) استقبالیہ کے نام سے یاد کرنا چاہیے ۔ فعل کا وجوب بتانے کے باعث اس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں استقبال یعنی آنے والے زمانے سے ہے[1] ۔ یہ اپنی جگہ فعل کے انجام دیے جانے پر دلالت کرتا ہے ۔ جو کیا جائے (یا کیا جانا چاہیے) وہ "کرنی" اور جو وجود میں نہ آسکے وہ "انہونی" ۔

"استقبالیہ" ترجمہ ہے انگریزی "FUTURE PASSIVE PARTICIPLE" کا ۔ یہ سنسکرت "کردت" کی تیسری قسم ہے اور سنسکرت کے علاوہ فارسی میں بھی ہے ۔ شدنی ، رفتنی ، سوختنی کی "ی" کو فارسی قواعد نویسوں نے یائے لیاقت قرار دیا ہے اور ان کے معنی ہونے کے قابل یا جانے اور جلنے کے لائق لکھے ہیں ۔

۳۹ ـــــــ مادہ فعل (لازم و متعدی) پر "نی" بڑھانے سے استقبالیہ وجود میں آتا ہے ۔ کر سے کرنی ۔ ہو سے ہونی ، بھر سے بھرنی ، کہہ سے کہنی ، سن سے سننی ، سنا سے سنانی ، اڑا سے اڑانی ۔

خدا کی کرنی تو باقی ہے (جانم)
خاک دھول جو باد اوڑانی (خسرو شاہ)

"باد اوڑانی" "ایسی دھول جسے ہوا اڑا سکے" ۔[2]

"نی" کی "ی" کو علامت تانیث سمجھ کر اس کے مقابل کرنا ، ہونا ، اڑانا ، مذکر صیغے بعد میں ڈھال لیے گئے ۔

---

[1] "مجھے کل جانا تھا" میں "جانا" سے گزشتہ زمانہ نہیں سمجھا جاتا ۔ معیت زمانی مفہوم ہوتی ہے اور بس ۔
[2] محمود شیرانی ، حفظ اللسان ، ص ۱۷

(۵) استقبالیہ کا لاحقہ 'نی' 'سنسکرت' 'ےنی' سے لیا گیا ہے جو سنسکرت قواعد نویسوں کے نزدیک 'ے ن' اور 'ے ی ی' سے مرکب ثانوی لاحقہ ہے۔ اس لحاظ سے ہوسکتا ہے کہ اردو 'نی' کو 'ے ن' اور 'ی' کی ترکیب کا نتیجہ قرار دے کر کہا جائے کہ 'کرنی' مثلاً 'کرن' پر 'ی' لگاکر بنایا گیا ہے۔

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لیے

'بھیجنی ہیں' کے معنی ہیں بھیجی جائیں گی۔

خواب میں وہ آنے کا کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جاتی ہیں مجھ کو نیند آنی ہے (ناسخ)

'آنی ہے' یعنی آئے گی۔

مجھ کو جانا ہے، مجھے سبق پڑھنا ہے، مجھے دیکھنا تماشہ کیا کرتے ہو۔ ان میں 'جانا' 'پڑھنا' 'دیکھنا' فعل کی ضرورت بتاتے اور اس کے وجوب و وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ استقبالیہ کے صیغے ہیں۔ بظاہر ان میں اور عام مصادر میں کوئی فرق نہیں اس لیے انھیں مصادر سمجھ لیا گیا ہے۔ "چاٹنی" کے معنی ہیں جسے چاٹا جائے۔ "کھانی" کے معنی ہیں جو کھائی جائے۔ اصلاً یہ بھی استقبالیہ ہی کے صیغے ہیں۔

میرے ہاں آنا، زنہار یہ خیال نہ کرنا، آج تم گھر مت جانا۔ ان مثالوں میں کام، طلب یا خواہش اس لیے پیدا ہوتی کہ استقبالیہ کے صیغے فعل کے وجود میں آنے یا انجام دیے جانے کی ضرورت جتانے اور اس کے وقوع و وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

۶۔ تصغیر و تکبیر

۴۰۔ —— جو اسم مسمّیٰ کی چھوٹائی بتائے وہ مصغر اور جو بڑائی ظاہر کرے وہ مکبر ہے۔

ٹوکری (مصغر)، ٹوکرا (مکبر)، لٹیا (مصغر)، لوٹا (مکبر)

(۱) تصغیر بیشتر چھوٹے یا جسامت کی مقابلۃً چھوٹائی کے لیے ہوتی ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مسمّیٰ کا ظاہری چھوٹا پا بتاتی ہے۔ ٹوکری کو بہرحال ٹوکرے کے مقابلے میں جسامت کے اعتبار سے چھوٹا ہونا چاہیے۔ اسم مکبر سے بھی جثہ یا جسامت ہی کی بڑائی ظاہر کی جاتی ہے۔ بڑی پگڑی کو پگڑ اور بڑی لکڑی کو لکڑ کہتے ہیں۔ لیکن خاص خاص صورتوں میں تصغیر سے حقارت یا پیار کے اور مکبر سے بڑپن اور عظمت کے معنے مراد لیے جاتے ہیں۔

مردوا، جوروا، بنیا، سیکڑا میں تحقیر ہے۔

بھیّا ، بٹیا ، ببوا ، مکھڑا سے پیار کا اظہار ہوتا ہے ۔
بتنگڑ کی تکبیر عظمت کے لیے ہے ۔

(ب) چھوٹائی اور بڑائی کے مختلف درجوں کا اظہار خاص خاص صورتوں میں تصغیر کی مزید تصغیر اور تکبیر کی مزید تکبیر سے کیا جاتا ہے ۔ مثلاً : چوٹی سے چُٹیا ، چٹلا پھر چٹا ۔ بادل سے بدلی یا بدریا (ل کو رُ سے بدل کر) پگ سے پگڑی ، پگڑا ۔ گانٹھ ، گٹھری ، گٹھڑ ۔ ٹاٹگ ، ٹنگری ، ٹنگر ۔ راسس ، رسّی ، رسّا ۔

۴۱ ——— جن لاحقوں سے اردو میں تصغیر کا کام لیا گیا ہے ان میں ذیل کے لاحقے عمومی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انھیں اسم کے آخر میں بڑھا کر قریب قریب ہر اسم (عام ، مصغر ، مکبر) کو مصغر بنا لیا جاتا ہے :

(۱) "ی" یائے معروف : پہاڑ سے پہاڑی ، چھتر سے چھتری ، گودڑ سے گدڑی ، بوڑ سے بوڑی (ڈونگی) ۔

نا ناد نہ ٹوکرا نہ بوڑی (من مگن)

"ی" اپنی جگہ بھی لاحقہ تصغیر ہے (اس کے مقابل کوئی اسم مکبر نہیں) ۔
موری ، ندی ، گلی ، گھڑی ، جھتی ، چارپائی [1]

الف تذکیر (یا تکبیر) کی جگہ لے کر تصغیر کے معنی دیتی ہے :
رسّی (رسّا) ٹوکری (ٹوکرا) جوتی (جوتا) نالی (نالا)

(اسم مکبر کے) مشدد حرف کی تشدید کا بدل بھی ہے :
کمّل سے کملی ، پگّڑ سے پگڑی ، گٹھّر سے گٹھری ، لکّڑ سے لکڑی [2]

(۲) "یا" (ـیا) : کُٹیا ، بُڑھیا ، شِشیا ، مکنیا (مکان + یا) بھیّا (بھائی + یا)
گھڑیا ، بہنیا (بہن + یا) بجیا (باجی + یا) بزریا (بازار + یا) بگیا (باغ + یا)
چُٹیا (چوٹی + یا) چُوہیا (چوہا + ـیا) اپیا (آپا + ـیا) کنویاں (کنواں + ـیا)
امبیا (امبی + یا) [3]

(۳) "وا" (ـوا) مردوا (مرد + وا) جوروا (جورو + وا) بسترُوا ، بھڑوا (بھاڑو + وا)
بندھوا (بندھ + وا) بٹوا (بیٹا + وا) بَبوا (بابو + وا) لکھنوا (لکھنو + وا) ۔

---

[1] ان میں "ی" تصغیر کی نہیں نسبت کی ہے اور ان میں چھٹپن کا تصور بجز "جھتی" اور کسی میں نہیں ہے ۔ (ق)
[2] ان میں "ی" تصغیر کی ہے ، تشدید کا بدل نہیں ، تشدید تو "ی" کی وجہ سے تخفیف میں آگئی ہے ۔ (ق)
[3] چوہیا ، اپیا ، کنویاں ، امبیا میں دوہرے لاحقے کارفرما ہیں ۔ (ق)

(۲) "ــِـیا" کی اصل سنسکرت لاحقہ تانیث "ــِـکا" اور "ــُـ وا" کی اصل سنسکرت "ــُـک" ہے۔ شاید اس لیے ان کی جنس میں اختلاف ہے۔ "یا" اردو میں تانیث کے لیے ہے اور "وا" عموماً تذکیر کے لیے۔ (بجروا کو چھوڑکر)

"یا" اور "وا" اسم پہ اضافہ ہوں تو اس کی آخری طویل علت (ا، و، ی) گرجائے گی اور ماقبل طویل (یا مرکب) علت مختصر ہوجائے گی اور لوٹا کا لٹ، جورو کا جُر، شیشی کا شِش، ندی کا ند، باجی کا بج، چوٹی کا چُٹ، بازار کا بزر، بھائی کا بَھ، بھاڑو کا بھڑ رہ جائے گا۔

(۴) "ــُـوٹا" (ــُـوٹی) ــُـوڑا (ــُـوڑی): بلوٹا، چڑوٹا، برنوٹا، لنگوٹا (لنگوٹی) سنگوٹی (سینگ + ــُـوٹی) پنگوڑا (پنگ = پتنگ[1] + ــُـوڑا) کنگوٹی (کنگ + ــُـوٹی)

کبھی لیوے کنگوٹی کھول کے بال (پھول بن)

(۵) ــُـولا (ــُـولی) ــِـیلا: کھٹولا (کھٹولی) گڑھولا (گڑھ + ــُـولا) سنپولا (سانپ + ــُـولا) ننولا (ناند + ــُـلا) نبولی (نیب + ــُـولی) گدیلا (گدا + ــِـیلا) بھنڈیلا (بھانڈ + ــِـیلا)

(۶) "ٹا" (ٹی) ڑا (ڑی): ملاٹا، چوٹا، چوٹی (چوٹ + ٹی) بٹا (باٹ + ٹا) پدڑی، ٹکڑا، ٹکڑی (ٹوک + ڑی) گٹھڑی، پلنگڑی، انتڑی (آنت + ڑی) دمڑی، انکھڑی (آنکھ + ڑی) بچھڑا، کٹڑا، مکھڑا، گدھڑا (گدھا + ڑا)

یا گدھڑے پہ قرآن لادیتا (خوش نامہ)

سیجڑی (سیج + ڑی)

نہ پھول سیجڑی منج ماتی ا ہے (قطب مشتری)

(۷) "لا" (لی): چٹلا (چوٹی + لا) کونڈالی (کونڈا + لی) بندلا (بوند + لا)

بہتوں کے بندلے پڑتے ہیں (سب رس)

پگلی (پگ + لی)

"پگلیاں اوپر راکھیا سیس" (جانم)

مچھلی (مچھ + لی)

(۸) "ــُـٹا"، "ــُـوٹا"، "ــُـولا" کو میں "ــُـاو" اور "ٹا" سے مرکب ثانوی لاحقے سمجھتا ہوں۔ "ٹا" جیساکہ ڈاکٹر چیٹرجی نے لکھا ہے "درمیانی عہد کی پیداوار اور قدیم

---

[1] اس کی اصل "پتنگ" نہیں بلکہ "چنگ" ہے۔ (ق)

ہند آریائی "ورت" سے بنا ہے۔ "ورت" سے "ڈ" وجود میں آیا۔ "ڈ" سے "ڑ" نے جنم لیا[1]۔ "ڑ" سے "ل" نے۔ یہ لاحقے ایک خاندان ہی کے نہیں، بھائی بھی ہیں۔

(۸) "نا" (نی) : بھتنا (بھوت + نا)، ڈھولنا (ڈھول + نا)، جھولنا (جھول + نا) تکینی (تکیہ + نی)، چھٹکنا (چھٹکا + نا)، مٹکنا (مٹکا + نا)

(۹) ک، کا، کی، چہ، چی : ڈھولک، بٹھک (بیٹھ)، مردک، بندکی (بوند + کی) چھٹکا (چھوٹا + کا)، مٹکا (موٹا + کا) چھٹکی، مٹکی، دیگچہ، بقچہ، دیگچی۔

(ل) ک، چہ فارسی لاحقے ہیں جن پر "ا" اور "ی" اردو والے کے لیے اضافہ ہوئے ہیں۔ اب یہ اردو لاحقے ہیں۔ ان پر خالص اردو لاحقے بھی اضافہ ہوئے ہیں۔ بقچیا، دیگچیا، ڈھولکی، بندکیا۔

۴۲ ——— اسم مکبّر بنانے کے درج ذیل قاعدے اُردو میں عام ہیں :

(۱) لاحقہ تصغیر (ی اور ـیا) کو :

(ل) "ا" سے بدلتے ہیں : (رسّی سے)، رسّا، (ٹوکری سے)، ٹوکرا، (ہولی سے) ہولا، (تختی سے)، تختا، (دمڑی سے)، دمڑا، (بتّی سے)، بتّا، (ڈبیا سے) ڈبا، (دیگچی سے)، دیگچا، (پکوڑی سے)، پکوڑا، (جھلّی سے) جھلّا (بڑا ٹوکرا)۔

(ب) "یا" کو گرا کر ماقبل کی حرکت کو کھینچ دیتے ہیں یا حرف کو مشدد کر دیتے ہیں۔ (بدلی سے)، بادل، (کملی سے)، کمّل، (گٹھری سے)، گٹھڑ، (پگڑی سے)، پگڑ، (لکڑی سے)، لکڑ، (ٹکڑی سے، ٹکڑ، (چُونی سے) چُنّا (اس میں "ی" کو "ا" سے بدلا گیا ہے)

(۲) اسم کے آخر میں :

(ل) "ـال" بڑھاتے ہیں (جو شاید سنسکرت "ـالے، جگہ) سے ماخوذ ہے۔ گھڑیال (گھڑی + ـال)، گھنٹال (گھنٹا + ـال)

(ب) کڑ (ـکڑا)، "ـنگڑ" کا اضافہ کرتے ہیں (پراکرت "ـکرتا" سے لیا گیا ہے) (گود سے)، گودکڑا، (بات سے)، بتنگڑ، (دھی سے)، دھینگڑا۔

تصغیر و تکبیر میں تقابل ہے اس لیے جب کسی اسم کی تصغیر بھی عام ہو اور تکبیر بھی، تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مصغر سے مکبّر نے جنم لیا یا مکبر سے مصغر نے۔ یہ اور بات ہے کہ خاص خاص

---

[1] "سیکھتڑ" میں یہ "ـڑ" موجود ہے (سیکھتا + ڑ) اور "ٹکڑ" میں بھی۔

صورتوں میں قرائن کے پیشِ نظر یا لفظ کی ارتقائی تاریخ دیکھ کر تقدیم و تاخیر کی بابت کوئی رائے دی جائے۔ مثلاً "تختہ" فارسی ہے، اسے تختی سے اقدم ہونا چاہیے، یا 'کھل' اصل سے قریب ہے اس لیے 'کھلی' سے مقدم ہوگا۔ "رسّی" سنسکرت "رَشمِ" کی پیداوار ہے۔ اس کی 'ی' بکسرۂ 'م' کی قائم مقام ہوگی۔

۷۔ اِسمِ آلہ

۴۳ ——— اسم آلہ اسم یا فعل سے اوزار پر دلالت کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے، نکیل، ہتھوڑا، نہتی، چھلنی، مسواک، مفتاح، استرہ۔

(ا) اسم آلہ کے لیے ضروری ہے کہ اسے آلۂ عمل پر دلالت کرنے کے لیے قاعدے کے مطابق بنایا جائے۔ کھُرپا، چاقو، قینچی وغیرہ اسما ہرچند اوزار پر دلالت کرتے ہیں لیکن اشتقاقی قاعدوں کے مطابق انھیں اوزار پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا اس لیے یہ اسم آلہ نہ ہوں گے۔ قینچی کے معنوں میں کترنی البتہ اسم آلہ ہے۔

مقراض کترنی کہ بود استرا چھرا (خسرو شاہ)

اسے قاعدے کے مطابق 'کتر' اور لاحقہ 'نی' کی ترکیب سے بنایا گیا ہے قلم اور سکّین (چھری) اسم آلہ نہیں۔ مقراض اور مفتاح اسم آلہ ہیں۔ یہ آلے کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

۴۴ ——— اسم (یا مادہ فعل) پر ذیل کے لاحقوں میں سے کوئی لاحقہ لگا کر اسمِ آلہ بناتے ہیں:

(۱) "ـَ ن": بیلن، جھاڑن، ڈھکن، داتن، منجن (منج + ـَ ن)

(۲) "نی": پھنکنی (پھونک + نی)، چھننی (چھان + نی)، دھونکنی، نہنی (نکھ + نی) کھُرنی، کترنی، کرنی، کنّی (کر + نی) دھرنی، دھنی (دھ + نی) دُہاونی (دُہاو، دوہ + نی) چھینی[1] (چھی + نی)

چھینی سوں غم کی چھیدیاں ہیں جیو چولی کی خاطر (ہاشمی)

(۳) "نا": پھنکنا، پالنا، بلونا (بلاؤ + نا)، کھلونا (کھلاؤ + نا) کسنا (کس + نا)۔

(۴) "ـُ و": جھاڑُو، بہارُو۔

(۵) "ـیل": نکیل (ناک + ـیل)، غُلیل (غُلہ + ـیل)، دھکیل (دھکا + ـیل)

(۶) "ـَ وڑا": ہتھوڑا (ہاتھ + ـَ وڑا)۔

(۷) "ہ": استرہ (استر + ہ) دستہ (دست + ہ)۔

---

[1] "چھے" چاہیے (ق)

(د) پہلے چھے لاحقے اردو کے ہیں جن میں سے "ـن" "نا" "نی" کا تعلق حاصل مصدر سے ہے اور "ـو" "ـیل" "ـوڑا" کا اسم فاعل سے۔ ان کے ماخذ بتائے جا چکے ہیں۔ "ہ" فارسی لاحقۂ نسبت ہے۔ یہ قدیم فارسی اور پہلوی 'ک' سے لیا گیا ہے۔ "اوڑھنی" اور "لٹکن" ساخت کے اعتبار سے اسم آلہ ہیں لیکن ان سے آلے کے معنی مراد نہیں لیے جاتے "اوڑھنی" اوڑھا جانے والا کپڑا ہے اور "لٹکن" لٹکائی جانے والی چیز ہے۔ "پھپیل" (پھول + ـیل) کو بھی اسی ذیل میں رکھیے جس کے معنی ہیں "پھولوں میں بسایا ہوا"۔

۴۵ ــــــ عربی اسم آلہ کے مِفعل (مفعلہ) مفعالی دو وزن ہیں اور دونوں اردو میں مستعمل ہیں، جیسے: مفتاح، مصباح، منبر، مسطر، میزان، مسواک، منوال، مقراض، مضراب، مقیاس، مشکوٰۃ۔

۸۔ اسمِ ظرف

۴۶ ــــــ اسم ظرف وہ اسم ہے جو لاحقہ ظرفیت (زمان و مکان) کے اضافے سے بنایا جائے یا جو مفعل (مَفعِلہ) کے وزن پر ہو اور ظرفیت کے معنی بتائے: درس گاہ، گھڑسال، پن سال، مسجد، مدرسہ، آگے، پیچھے۔

(د) اسم ظرف تنہا چیز یا کام کی جگہ یا کام کا وقت بتاتا ہے اور حسبِ قاعدہ ظرفی لاحقے کے اضافے سے یا مَفعِل کے وزن پر ڈھالا جاتا ہے۔ اس لیے دن، رات، آج، کل، صبح، شام، پُورب، پچھم، اُتر، دکھن، لاہور، کراچی جیسے کلمے اسم ظرف نہ ہوں گے۔ یہ جگہ یا وقت بتاتے ہیں، چیز یا کام کی جگہ اور وقت نہیں بتاتے اور ظرفی لاحقوں سے خالی بھی ہیں۔ وقت اور مقصد اگرچہ مفعلہ اور مفعل کے وزن پر ہیں لیکن جگہ نہیں بتاتے، یہ بھی اسم ظرف نہ ہوں گے۔

اردو ظروف اسما کے آخر میں لاحقے لگا کر بنائے گئے ہیں اس لیے عربی کے خلاف عموماً وہ اسم کی جگہ اور اس کا مقام بتاتے ہیں۔

(ب) اسم ظرف کی زماں و مکاں دو قسمیں ہیں۔ ظرف مکان چیز یا کام کی جگہ اور مقام بتاتا ہے۔ درس گاہ: درس کی جگہ، پھلواری: پھولوں کی جگہ۔ ظرف زماں سے صدور یا حدوث فعل کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ آگے، یعنی گزشتہ زمانے ہیں:

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی (غالبؔ)

۴۷ ــــــ ذیل کے لاحقے ظرف مکان کے لیے ہیں:

(۱) "وار" (واری) : پھلوار، پھلواری

(۲) "واڑ" "واڑا" (واڑی) : ہرواڑ، پچھواڑا، پن واڑا (پان واڑا)، اکھاڑا، اگاڑی، پچھاڑی۔

(۳) "باڑ" "باڑا" (باڑی) : امام باڑہ، بانس باڑی۔

یہ ضعف لاحقہ ہے کہ تنہا احاطے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

(نوٹ) یہ لاحقے پراکرت "واٹ" سنسکرت "وٹ" (احاطہ) سے ماخوذ ہیں۔ "باڑ" میں "و" کو "ب" سے اور "وار" میں "ڑ" کو "ر" سے بدل کر لفظ کو کسی قدر ہلکا یعنی سہل التلفظ بنا لیا گیا ہے۔

(۴) "ے ال" "ے الا" (یال) : سسرال (سسر + ے ال)، ددھیال (دادی + یال)، ننھیال (نانی + یال)، شوالا (شو + ے الا)، دھنوالا (دھنواں + ے الا)۔

"ے ال" سنسکرت "آلے" (یہ جگہ) سے لیا گیا ہے۔

(۵) "سار" "سال" (سالا) : ٹکسال (ٹکا + سال)، گھڑسال (گھوڑا + سال)، پنسال (پانی + سال)، کھنڈسار (کھانڈ + سار)۔

"سار" (شال) سنسکرت "شالا" کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ اردو میں "شالا" بھی استعمال ہوا ہے۔ پاٹھ شالا، دھرم شالا وغیرہ۔

(۶) "تا" "ے انا" (ہانا) : جھرنا (جھر + نا)، رمنا (رم + نا)، گھدانا (گھد + ے انا)، گھرانا (گھر + ے انا)، سمدھیانا[1] (سمدھی + ے انا)، سرہانا (سر + ہانا)۔

"ہانا" (ے انا) سنسکرت "ستھان" کا بگاڑ ہے۔ ستھان = تھان ہان + ا = ہانا۔

(۷) ستان : گلستاں، بوستاں، خارستاں۔

(۸) گاہ : گزرگاہ، شکارگاہ، سیرگاہ۔

(۹) خانہ : دواخانہ، مےخانہ، کبوترخانہ۔

(۱۰) زار : لالہ زار، گلزار، سبزہ زار۔

یہ چار لاحقے فارسی سے لیے گئے ہیں اور فارسی عربی الفاظ ہیں

---

[1] "گھرانا" اور "سمدھیانا" میں مجرد کے معنی بھی ہیں:
گھرانا = کنبا، خاندان۔ "سمدھیانا" سمدھی کا خاندان۔

(کے ساتھ) مستعمل ہیں[1]۔

۴۸ —— زمانہ بتانے کے لیے عموماً اسم کے آخر میں "ے" (یائے مجہول) بڑھاتے ہیں، جیسے: سویرے، آگے، پیچھے[2]۔

اس سے ظرف مکاں کا کام بھی لیا گیا ہے، دریا کنارے، تکیے، مدینے۔

تری آواز مکے اور مدینے

فارسی عربی الفاظ کے آخر میں "گاہ" بڑھاتے ہیں۔ سحرگاہ، صبح گاہ، آرام گاہ۔

۴۹ —— "مَفْعِل" "مَفْعَلَہ" عربی اسم ظرف کے اوزان بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ ان کے ماقبل آخر حرف پر زیر بھی ہوتا ہے اور زبر بھی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مسجد، منزل، مشرق، مغرب، مجلس، محفل، مصدر، منبع، مکتب، مدرسہ، مقبرہ، مطبع، مقتل، مسند۔

مُتّکا (تکیہ گاہ) مفتعل کے وزن پر ہے۔ یہ اردو میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔

---

[1] (۱۱) کدہ: میکدہ، گلکدہ، صنم کدہ، بتکدہ، دانشکدہ، ماتم کدہ، ظلمت کدہ، غمکدہ۔
(۱۲) دان: گلدان، پیکدان، پاندان، اگردان، ناشتہ دان۔
(۱۳) سرا (سے): مہمان سرا، حرم سرا، ماتم سرا۔
مندرجہ بالا اسم ظرف کے علاوہ اور بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ (ق)

[2] اس "ے" کو ہم امالے کا عمل بھی قرار دے سکتے ہیں کہ اصلاً آخری حرف "الف" یا "ہ" (ہائے مختفی) ہے جو امالہ کی وجہ سے "ے" سے بدل جاتے ہیں۔ (ق)

اسم مرکب

۵۰ ——— ایک حیثیت کے دو کلمے جب گھل مل کر ایک ہو جائیں اور ایک معنی دینے لگیں تو اسم مرکب وجود میں آئے گا ؛ جنم پترا ، گھڑ دوڑ ، کفن کھسوٹ ، پچڑی مار ، لم ٹنگو ، اُچھل کود ۔

(ا) مرکب کے اجزا میں قواعدی تعلق تو ہوتا ہے ، قواعدی تعلق ظاہر کرنے والی علامت نہیں ہوتی مرکب لفظی اور معنوی اعتبار سے ایک اکائی (UNIT) ہے ۔ دو لفظوں کے ایک وحدت میں ڈھل جانے کی وجہ سے لفظی اور ایک معنی دینے کی وجہ سے معنوی اکائی ۔

" بھلا مانس " " نیک و بد " بظاہر مرکب معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ گھل مل کر ایک نہیں ہوئے اس لیے انھیں اور ان جیسے تمام الفاظ کو ارتباطی مرکبات کے ذیل میں رکھا جائے جن کے لیے میں ترکیب کا لفظ تجویز کر چکا ہوں ۔

(ب) اردو مرکبات کی ' اصیل ' ' دخیل ' دو قسمیں ہیں جن میں سے ' دخیل ' سنسکرت کے بھی ہیں اور فارسی (عربی) کے بھی ۔ سنسکرت کے کم اور فارسی (عربی) کے زیادہ ۔

۵۱ ——— معنی کے لحاظ سے اردو مرکبات کو دو بڑے حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے ۔ مرکب اسمی ذات یا معنی پر دلالت کرتا ہے ۔ جیسے ؛ اچھل کود ، خاک دھول ، دھینگا مشتی ، اڑوس پڑوس ، بھیڑ بھاڑ ۔

مرکب وصفی ۔ یہ موصوف بصفت یعنی صفت والی ذات بتاتا ہے ۔ جیسے ؛ ادھموا ، بھولا بھٹکا ، نیک چلن ، شرواچٹ ، کھال اپاڑ ، ہتھ کُڑلا ۔

مرکب وصفی کو ' جسے سنسکرت میں " بہوبریہی سماس " کہتے ہیں ، سنسکرت قواعد نویسوں نے مرکب کی جداگانہ قسم قرار دیا ہے ۔

۵۲ ——— ساخت کے اعتبار سے اردو مرکبات کی چار قسمیں کی گئی ہیں ؛

۱ ۔ مرکب عطفی ؛ سنسکرت کا " دوندو سماس " مولوی عبدالحق ' مرکب ربطی ' کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ یہ جن دو کلموں سے ترکیب پا کر بنا ہے ۔ ان کے درمیان سے عاطفہ (رابطہ) کثرتِ استعمال کی

وجہ سے تخفیف کی نذر ہوگیا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں :

(۱) دونوں کلمے معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں :

(۱) دونوں اسم ہیں، جیسے : ماں باپ ، بھائی بہن ، باپ بیٹا ، دن رات ، جوتا ٹوپی ، ہاتھ پاؤں ، آنکھ ناک ، ناک نقشہ ، تانا بانا ، کھیتی باڑی ، انگیا کرتی ، کام دھام ، دل گردہ ، کھٹ مٹھا ، دہی بڑا ، سانجھ سویرے ۔

(۲) دونوں فعل مادے یا اسم ماخوذ ہیں۔ جیسے : توڑ جوڑ ، آر جار ، گھٹتی بڑھتی ، کمی بیشی ، ہار جیت ، ادھیڑ بن ، بیاہ دیا ، لپا پتا ، پڑھا لکھا ، آیا گیا ، کھانا پینا ۔

(ب) دونوں کلمے ہم معنی یا قریب المعنیٰ ہیں :

(۱) دونوں اسم ہیں، جیسے : خط پتر ، خاک دھول ، کام کاج ، چھل فریب ، راج پاٹ ، ریل پیل ، بھلا چنگا ، حساب کتاب ، گھر بار ، نوکر چاکر ، بھائی بند ۔

(۲) دونوں فعل مادے یا اسم ماخوذ ہیں۔ جیسے : بھول چوک ، دیکھ بھال ، سمجھ بوجھ ، جانچ پڑتال ، ٹوٹ کھسوٹ ، پکڑ دھکڑ ، مار دھاڑ ، تاک جھانک ، کاٹ چھانٹ ، اچھل کود ، کتر بیونت ، پلٹ پھرت ، جھاڑ پونچھ ، پالا پوسا ، بھولا بھٹکا ، گیا گزرا ، پکڑ دھکڑ ، میل جول ، روک تھام ۔

وہ مرکبات بھی عطفی ہی سمجھے جائیں جن میں عاطفہ کا قائم مقام الف اتصال (یا لاحقہ ۔ وں) ہے۔ جیسے : جڑا جڑ ، بیچا بیچ ، دھینگا مشتی ، دھکا پیل ، شبا شب ، سراسر ، سراپا ۔*

۵۳ ——— مرکب عطفی کی دوسری قسم کو (جس کے دونوں کلمے ہم معنی ہیں) مرکب ترادفی کا نام دیا گیا ہے اور اس کی موضوع اور مہمل دو قسمیں کی گئی ہیں۔ جزِ اوّل کے پہلے حرف کو 'و' سے بدل کر مرکب کا دوسرا جز قرار دے کر کہتے ہیں۔ روٹی ووٹی ، پانی وانی ، دال وال ۔ یہ مہمل ہے۔

انشا نے دریائے لطافت (ص ۹۶ - ۱۹۵) میں مرکب کی اس قسم کا ذکر کیا ہے۔

"مہمل ہندی بہ تبدیل حرف اوّل ہر لفظ بامعنی با وزارت (و) باشد مثل : گھوڑا ووڑا ، لوٹا ووٹا ، آگ واگ ، گیہوں ویہوں ، چنا ونا اور پانی وانی "

(۱) غالباً ۔ عربی "وغیرہ" سے تراشا گیا ہے ۔ "لٹھا وٹھا" کے معنی ہیں لٹھا وغیرہ ۔ کسی کو بازار سے لٹھا خریدنا ہو تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے لٹھا لینا ہے۔ یہ بدشگونی ہوگی اس لیے کہ لٹھا کفن کے لیے بھی خریدا جاتا ہے۔ لٹھا کے ساتھ 'وٹھا' اضافہ کر کے کہے گا لٹھا وٹھا خریدنا ہے ۔

---

* آخر کے تین کلمے فارسی کے ہیں ۔

بعض مرکبات میں 'و' کی جگہ 'م' (غالباً فارسی توابع کے زیر اثر) دیکھا گیا ہے:
سچ مچ، جھوٹ مُوٹ۔

۵۴ —— مرکب ترادفی کی دُوسری قسم موضوع کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں ایک کلمے کو مکرر کرکے 'ا' (الف ساکن) سے جوڑ دیتے ہیں، جیسے: جھڑا جھڑ، چھپا چھپ، جلا جل، پٹا پٹ، چھما چھم، دھما دھم، شپا شپ، دھڑا دھڑ، کھٹا کھٹ، چھنا چھن، کھنا کھن۔
ان کلموں کی یہ وضع حکائی الفاظ کے ساتھ خاص ہے۔ الف صوتی تسلسل ظاہر کرتا ہے اور اس کا امکان ہے کہ یہ الف فارسی الف اتصال کا شرمندۂ احسان ہو۔

دُوسری قسم کے کلموں کو 'م' سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ 'م' سنسکرت بے جنس کی علامت نہیں تو اسے عربی منصوب تنوین کا قائم مقام ہونا چاہیے: کُشتم کشتا، لٹھم لٹھا، ٹالم ٹول (اسے ٹال مٹول بنا لیا گیا) ٹھونسم ٹھانس، گھونسم گھانس، دھکم دھکا، ٹھیکم ٹھاک، پورم پور۔
اس کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے جز میں 'و' (ی) ہو تو دوسرے جز میں 'ا' ہوگا۔ جیسے: گھولم گھال، گھونسم گھانس، ٹھیکم ٹھاک، چیخم چاخ۔
اس کے برعکس پہلے جز میں 'ا' ہو تو اس کے مقابل دوسرے جز میں 'و' ہوگا۔ جیسے:
ٹالم ٹول، گھالم گھول۔

۵۵ —— مرکب ترادفی کی چار قسمیں اور بھی ہیں جن کی بنیاد آہنگ پر ہے:
(۱) مرکب تکراری: اس کی دو صورتیں ہیں:
(الف) مرکب کے جزِ اول کو جوں کا توں دُہرا دیا جائے جیسے: کھٹ کھٹ، پھٹ پھٹ، بھل بھل، ٹپ ٹپ، بھن بھن، جھپ جھپ، جھن جھن، دھم دھم، سن سن، بھڑ بھڑ، بھوں بھوں[1]
اس کے اجزا عموماً یک رکنی ہوتے ہیں۔
(ب) جزِ اول کی درمیانی علت کو الف سے بدل کر مرکب کا جزو ثانی بنا دیا جائے۔ جیسے:
بھیڑ بھاڑ، بیٹھ باٹھ، پُوچھ پاچھ، تول تال، دیکھ داکھ، دھوم دھام، ڈھونڈ ڈھانڈ، چھیڑ چھاڑ، سوچ ساچ، ٹھیک ٹھاک، گھول گھال۔
(۲) اگلی جوڑے جس کے پہلے حرف کو بدل دیا گیا ہے۔ باقی حروف مشترک ہیں: آس پاس، اور چھور، پکڑ دھکڑ، تاک جھانک، توڑ پھوڑ، ٹوٹ پھوٹ، چمک دمک، رس بس،

---

[1] یہ بھی حکائی مادوں کی خصوصیت ہے۔ (ق)

رل رل، ریل پیل، کاٹ چھانٹ، لپ جھپ، لڑائی بھڑائی، مانگا تانگا، اختر بختر، اغل بغل، اڑوس پڑوس، الم غلم، اول جلول، اول بدل، اینڈا بینڈا، اگم تھگم، اتا پتا، کلا ٹھلا، ٹالا بالا۔

(۳) ایک ہی حرف سے شروع ہونے والے کلموں کے جوڑے: میل ملاپ، پاس پڑوس، در دوار، دھن دولت، کام کاج، گھن گرج، ڈھور ڈنگر، ڈھول ڈھپڑا، دوڑ دھوپ، چوری چکاری، دن دہاڑے، مال مسالا، ناک نقشہ، رنگ رُوپ۔

(۴) پہلا جزو 'الف' سے ہے دُوسرا 'س' یا 'ش' سے: اٹ سٹ، انٹ شنٹ، اناپ شناپ، اگڑم سگڑم۔

ان مرکبات کے پہلے یا دوسرے جز کو عموماً بے معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ سید انشاء نے ان کو بامعنی قرار دیا ہے:

"کلا ٹھلا، ٹالا بالا، تانا بانا۔ اگر کسے بگوید کہ دریں ہر سہ لفظ مذکور لفظ دوم مہمل لفظ اول است غلط می گوید۔" (دریائے لطافت: ص ۱۹۵)

II — مرکب نحوی: سنسکرت "تت پرش"۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس کا نام غالباً پلیٹس کی تقلید میں مرکب 'تابع' تجویز کیا تھا۔ جن دو اسموں سے یہ ترکیب پاتا ہے ان میں درج ذیل نحوی تعلقات میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اضافی: پہلا مضاف ہو، دُوسرا مضاف الیہ:

باگ ڈور (باگ کی ڈور)، پن چکی (پانی کی چکی)، کال کوٹھری (کال کی کوٹھری)، ٹڈی دَل (ٹڈی کا دَل)، لکھ پتی (لاکھ کا پتی)، گھوڑ دوڑ (گھوڑے کی دوڑ)، پن گھٹ (پانی کا گھاٹ)، پت جھڑ (پتے کا جھڑ)، امرس (آم کا رس)، کپڑ گندھ (کپڑے کی گندھ)، ہتھکڑی (ہاتھ کی کڑی)، راج پُوت (راجا کا پُوت)، بھیڑا چال (بھیڑے کی چال)[1]، کن ٹوپ (کان کا ٹوپ)، منجدھار (منجھ کی دھار)، کٹھ پتلی (کاٹھ کی پتلی)، چرس (چمڑے کا رسا)[2]

---

[1] 'بھیڑا چال' کا تجزیہ "بھیڑ + ا + چال" ہے۔ یہ مرکب اس ذیل میں نہیں آتا اس کے مقابل "بھیڑ چال" اس ذیل میں آتا ہے۔ (ق)

[2] 'چرس' کا تجزیہ "چم: چمڑا + رس، نچوڑ، عرق" وغیرہ۔ اس کے معنی ہیں "وہ زخم جو چمڑے کی جوتی سے پیدا ہو"۔ زخم چونکہ ابتدا میں چھالے کی صورت ہوتا ہے اس لیے اس زخم کو 'چرس' کہا جاتا ہے۔ وہ رطوبت جو چمڑے کی وجہ سے جلد سے خارج ہو۔ یہاں 'رسا' نہیں ہے۔ (ق)

(۲) مفعولی: پہلا دوسرے کا مفعول ہو:

شرواچٹ (شوربہ کو چاٹنے والا)، بٹ مار (بٹ: راہ کو مارنے والا)۔ کمال اپاڑ (کھال کو اپاڑنے والا)، ہری چُگ (ہری گھاس کو چگنے والا) کفن کھسوٹ (کفن کو کھسوٹنے والا)، چڑی مار، تل چٹا، گٹھ کٹ۔

(۳) ظرفی: پہلا دوسرے کا ظرف ہو:

کپڑ چھن (کپڑے میں چھاننا)، چادر چھپول (چادر میں چھپنا)، بھڑ بھونجا (بھاڑ میں بھوننے والا) گھر گھسنا (گھر میں گھسنے والا)، بن باسس (بن میں رہنا)، گھڑ چڑھی (گھوڑے پر چڑھنا)۔

(۴) مجروری: جن کے درمیان حرف سے مقدر ہو:

دیس نکالا (دیس سے نکالا)، مُنہ بولا (مُنہ سے بولا)، رس بھری (رس سے بھری)، آنکھوں دیکھا (آنکھوں سے دیکھا)، قدموں لگی (قدم سے لگی)۔

III —— مرکب توصیفی: سنسکرت "کرم دھارے" صفت موصوف کی ترکیب سے وجود میں آتا ہے۔
لم ٹنگو، بڑکنا (بڑے کان والا)، لم ڈھہ، کچالو، رتالو (رکت آلو)، اکل کھرا، تھڑ دلا، بڑھ بولا، کل جبھا، بڑھ موا، بھل منسات۔

IV —— مرکب عددی: سنسکرت 'درگوساس' عدد اور معدود کے ملاپ کا نتیجہ ہوتا ہے۔
چوراہا، تراہا، پنچ محلا، ست لڑا، دُوپٹا، ادھ موا، لکھ لٹ، اٹھوانسا، ترپولیا، دوہاجو، نوگزا، نونگا، تماہی، چوماسا۔

مرکب توصیفی کو مرکب نحوی کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ صفت و موصوف کا تعلق بھی تو آخر نحوی تعلق ہی ہے۔ اس لیے قرینِ صواب یہ ہے کہ اُردو مرکبات کی ساخت کے اعتبار سے صرف تین قسمیں کی جائیں۔

مرکبات کی ترکیبی ہیئت پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ صفت کا صیغہ ڈھالنے کے لیے مرکب کے آخری جز پر الف یا "د" فاعلی اضافہ کرتے ہیں۔ جیسے: بڑکنا، تھڑدلا، کلوا، بڑھ بولا، ترپولیا، تل چٹا، گھر گھسنا، لم ٹنگو۔

خاص خاص صورتوں میں فارسی کے قیاس پر بھی محض ترکیب ہی سے وصفی معنی پیدا کیے گئے ہیں۔ جیسے: لم ڈھہ، لکھ لٹ، چڑی مار، کفن کھسوٹ، کمال اپاڑ، شرواچٹ، ہری چگ۔

۵۶ —— ترکیب کی صورت میں تانیث کا باؤ مرکب کے پہلے جز پر نہیں رہتا اس نے پنت

جز کے طویل مصوتے مختصر ہو جاتے یا محذوف کر دیے جاتے ہیں۔

(۱) الف ممدودہ سادہ الف رہ جاتا ہے، اور آخر کا الف گر جاتا ہے: اٹھوانسا (آٹھ + وانسا)، امرس (آم + رس)، ادھموا (آدھ + موا)، کلموا (کل، کالا + موا) بڑبولا (بڑا + بولا)، پن کٹی (پانی + کٹی)۔

(۲) درمیانی 'و' پیش سے بدل جاتا اور آخر کا 'ا' گر جاتا ہے[1]: گھڑسال (گھوڑا + سال)، ہتھوڑولا (ہتھوڑا + ولا)، پھُل جھڑی (پھول + جھڑی)، گُربچن (گورو + بچن)، دُپٹّا (دو + پٹا)، دُنالی (دو + نالی)۔

(۳) درمیانی 'ی' زیر سے بدل جاتی ہے اور آخر کی حذف ہو جاتی ہے: بڑھ بولا (بڑھا + بولا)[2]، تل چٹّا (تیل + چٹا)، اک رہا (ایک + رہا)، تر پولیا (تری پولیا)، پن کال (پانی + کال)، کل جبھا (کالی + جیبھا)۔

۵۷ ـــــــ دباؤ دوسرے جز کے آخری حرف پر ہوتا ہے اس لیے دُوسرے جز کے درمیانی طویل مصوتے بھی تخفیف کی نذر ہو جاتے ہیں: ہتھ چھٹ (ہاتھ + چھوٹ)، کھٹ مٹھا (کھٹا + میٹھا)، بگ ٹُٹ (باگ + ٹوٹ)، بھل منسات (بھلا + مانس + ات)، بکل مُچھے (گال + مُونچھے)، بڑکنا (بڑا + کانا)، لم ڈڑھ (لمبی + داڑھی)، لم ٹنگو (لمبی + ٹانگ + و)، کل جبھا (کالی + جبھ + ا)۔

"پاک ہند" "ہند آریائی" "ہند ایرانی" قسم کے جدید عطفی مرکبات براہِ راست انگریزی سے ترجمہ ہوئے اور انگریزی قاعدے کے مطابق ہندی کی "ی" اور پاکستان کا "ستان" گرنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔

۵۸ ـــــــ سنسکرت کے صرف چند ہی دخیل مرکبات اردو میں رائج ہیں یہ عطفی بھی ہیں نحوی بھی ہیں اور توصیفی بھی: ماتا پِتا، شُبھ لگن، مہاجن، مہاکاج، ان داتا، موہن بھوگ، پاپ پن، راجا پرجا، پُوجا پاٹ۔

عربی اضافی ترکیبیں صرف ادبی زبان ہی میں برتی گئی ہیں: سہل الحصول، عسیر الفہم، عام الورود، فارسی الاصل، عظیم الجثہ، اثاث البیت، رائج الوقت، راقم الحروف،

---

[1] یہاں یہ اضافہ چاہیے "اور آخر میں اگر 'ا' یا 'و' ہو تو وہ گر جاتا ہے۔ پھُل جھڑی، گُربچن، دُپٹّا" کے آخر میں الف نہیں ہے۔ یہاں اس مرکب میں آخر جُز پر 'ا' یا 'ی' کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ 'دُپٹا' میں نہیں ہوا ہے۔ "گھڑسال" کا ایک روپ "گھڑ سالا" بھی ہے۔ (ق)

[2] یہ ۲ کے ذیل میں آتا ہے (ق)

سہوالقلم ، زلّۃالقدم -

یہاں جزوِاوّل (مضاف) کے آخر میں 'ۃ' اور جزوِ آخر (مضاف الیہ) کے شروع میں 'ال' کا ہونا ضروری ہے -

۵۹ ——— اسم فاعل اور اسم مفعول (ترکیبی) کے علاوہ فارسی مرکبات جو اردو جنتر پہ کھینچ لیے جاتے یا اردو مرکبات سے ہم آہنگی کے باعث دخیل مرکبات کا درجہ حاصل کر چکے ہیں دُو طرح کے ہیں :

(۱) عطفی : ان کے درمیان کا عاطفہ اُردو عطفی مرکبات کے زیرِ اثر تخفیف ہو گیا ہے - جیسے، کاربار ، آب دانہ ، آب ہوا ، آمد رفت ، خط کتابت ، امیر غریب ، پیر پیمبر ، خدا رسول ، عالم فاضل ، پیر فقیر ، دار مدار ، کش مکش ، قیل قال ، ہرج مرج ، تار پود -

ان کے بیچ میں حرفِ عطف لانا نہ صرف غیر فصیح ہے بلکہ اکثر غلط ہوتا ہے[1]

الف اتصال سے جوڑے جانے والے مرکبات بھی ، جن کا ذکر کیا گیا ہے ، اسی ذیل میں آتے ہیں : کشاکش ، رستاخیز ، تگاپو ، برابر ، شپاشپ ، لبالب ، دمادم ، سراسر ، سراپا -

لیکن جوق جوق ، دم دم ، قدم قدم ، جَوجَو ، ذرّہ ذرّہ ، روز روز ، لمحہ لمحہ جیسے کلمے جن میں لفظ کو دُہرایا گیا ہے ، تکراری مرکبات میں شامل ہوں گے -

(۲) امتزاجی : پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے دُو کلمے جن میں اضافت تو ہے لیکن کسرۂ اضافت نہیں یا ان کی ترتیب اضافی ترتیب کے خلاف ہے - جیسے : سپہ سالار ، پیش قبض ، سرمایہ ، سرفہرست ، شاہ راہ ، نیم روز ، دولت کدہ ، شہنشاہ ، خانساماں ، پس کوچہ ، پس منظر ، سرمنزل ، سردفتر ، سرحلقہ ، میر آب ، خان خاناں ، روزنامہ ، پندنامہ ، شہرپناہ ، پیش امام -

فک اضافت یا قلب اضافت فرض کر کے جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کے درمیان سے کسرہ حذف کر دیا گیا یا ترتیب الٹ کر مضاف کو مضاف الیہ بنا دیا گیا یہ صحیح نہیں - قدیم فارسی اور پہلوی میں ایسے مرکبات بھی ہیں جن کے درمیان سرے سے کسرۂ اضافت

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے یہاں حاشیہ نہیں لکھا صرف نمبر ڈال دیا گیا ہے "پیر پیمبر ، خدا رسول ، پیر فقیر ، کش مکش ، ہرج مرج " میں واو عاطفہ لانا غلط ہے - باقی میں اگر عاطفہ استعمال کیا جائے تو مضائقہ نہیں (ق)

تھا ہی نہیں ۔

۶۰ ——— ترکیبی اسم فاعل اور اسم مفعول عموماً امر حاضر کے شروع میں اسم کے اضافے سے وجود میں آتے اور صفت والی ذات پر دلالت کرتے ہیں ۔ جیسے : بدخواہ ، راہ رو ، خداشناس، تخت نشین ، گھڑی ساز ، دغاباز ، سٹے باز ، سونٹے بردار ، کفش بردار ، راہ نما ، جاں باز ، خوش نویس ، جامہ زیب ، خاک روب ، بندہ نواز ، سحر خیز ، سبق آموز ، خاک آمیز، جاروب کش، محنت کش ۔

۶۱ ——— دو اسم (ایک صفت ایک اسم) کے اجتماع سے جو مرکب وجود میں آئے اسے بھی فاعلی یا مفعولی مرکب کے ذیل میں رکھیے : سنگ دل ، پیل تن ، خوب رو ، پری رو، گل عذار، نیک نام ، بدنام ، نیک خو ، بدمعاش ، پاک دل ، بدگماں ، خام خیال ، نازک بدن، آہو چشم، شیر دل ، گمراہ ، بدراہ ۔

تغیراتِ اسم

۶۲ ——— اسم منصرف یعنی تغیر پذیر کلمہ ہے، جس کے تغیرات کو ذیل کی چار ضمنی شقوں میں رکھا جا سکتا ہے:

(۱) اسمی ماخذ یا اصل جسے گردانا جائے۔ (STEM)

(۲) جنس یعنی نر و مادہ کی تشخیص (GENDER)

(۳) عدد یعنی اس امر کا تعین کہ اسم واحد ہے یا جمع (NUMBER)

(۴) حالت (CASE)

اردو میں معلول الآخر اسما بھی ہیں اور صحیح الآخر بھی۔ یعنی مصوتوں پر بھی ختم ہونے ہیں اور مصمتوں پر بھی۔

۱۔ مصوتے جن پر اسما ختم ہوتے ہیں:

"ـَ ا" : پنکھا، ڈورا، پرزا، گھٹا، گدھا۔

"ـِ ی" : دھوبی، بھنگی، چاندی، پانی۔

"ـُ و" : لٹو، چٹو، تمبو، ٹھٹو۔

"ـٗ و" : بازو، بالو، ستو، نیبو۔

"ـِ ے" : چوبے، پانڈے۔

"ـَ ے" : طے، نے، پے، شے، بھے، لے۔

"ـَ و" : سَو، رَو، تُو، پَو۔

۲۔ مصمتے (صحیح حروف) جن پر اسما کا اختتام ہوتا ہے:

"ب" : سب، رب، کب، چب۔

"بھ" : لابھ، جیبھ۔

"پ" : ناپ، سانپ، دھپ، ڈھپ۔

"پھ" : بھاپھ (بھاپ)۔
"ت" : ریت، کھیت، ست، بھات۔
"تھ" : ہاتھ، ساتھ، ناتھ۔
"ٹ" : گھاٹ، بھاٹ، پیٹ۔
"ٹھ" : کاٹھ، ساٹھ، مٹھ، لٹھ، پیٹھ۔
"ث" : عبث، خبث، توارث۔
"ج" : آج، کاج، راج، چھاج۔
"جھ" : سانجھ، بانجھ۔
"چ" : سچ، نیچ، کیچ۔
"چھ" : پوچھ، مونچھ۔
"ح" : ریاح، سیّاح، مباح۔
"خ" : رُخ، پخ، چرخ۔
"د" : داد، کھاد، شاد، آباد۔
"دھ" : دودھ، باندھ، راندھ۔
"ڈ" : رانڈ، ڈنڈ، سونڈ۔
"ڈھ" : مُڈھ، ڈھونڈھ۔
"ذ" : لذیذ، نبیذ۔
"ر" : کار، یار، دھار، سوار۔
"ڑ" : راڑ، باڑ، جھاڑ، ماڑ۔
"ڑھ" : کاڑھ، داڑھ، باڑھ، اساڑھ[1]۔
"ز" : باز، ناز، ساز، راز۔
"س" : ماس، کانس، ساس، سانس۔
"ش" : پاش، نعش، خویش، دیش۔
"ص" : مرخص، خصوص، منصوص۔

---

[1] "ژ" کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔ اس پر ختم ہونے والے الفاظ اردو میں اگرچہ زیادہ نہیں لیکن کم از کم ایک لفظ "کژ" (ٹیڑھا) تو پایا جاتا ہے جو مرکب اسم "کژدم" (بچھو) میں موجود ہے۔ (ق)

" ض " : قبض ، نبض ، فیض ۔
" ط " : ربط ، خبط ، ضبط ، بط ۔
" ظ " : غیظ ، حظ ۔
" ع " : رکوع ، ربع ، ضلع ۔
" غ " : مرغ ، باغ ، صباغ ۔
" ف " : برف ، حرف ، صاف ، ناف ۔
" ق " : رونق ، سیاق ، سباق ، سبق ۔
" ک " : چاک ، تاک ، ناک ، باک ۔
" کھ " : راکھ ، ساکھ ، پاکھ ۔
" گ " : راگ ، ناگ ، ساگ ، سانگ ۔
" گھ " : باگھ ، جانگھ ۔
" ل " : مال ، رال ، سال ، دال ۔
" م " : نام ، شام ، جام ، رام ۔
" ن " : ران ، کان ، پان ۔
" ہ " : چاہ ، راہ ، باہ ۔ (ظاہر)[1]
: نامہ ، خامہ ، قلعہ ۔ (مخفی)[2]
" و " : گھاو ، چاو ، ناو ۔
" ے " : گاے ، راے ، چاے ۔

۶۳ —— اردو کا کوئی اسم قصیر مصوتے (زیر ، زبر ، پیش) پر ختم نہیں ہوا ، سب ساکن الآخر ہیں ۔ اس لیے :

(۱) کسی اسم کا آخری حرف مشدد (مکرّر) نہیں اور جو مشدد تھے وہ مخفف کرلیے گئے ۔ جیسے : شاذ ، اجل ، شد ، مد ، رد ۔

(۲) کسی اسم کا اختتام ہمزہ پر نہیں ہوا اور جن عربی اسما کے آخر میں ہمزہ تھا ان کا ہمزہ گرادیا گیا ۔ جیسے : اسما (ء) ، ارتقا (ء) ، اتقا (ء) ، ابتلا (ء) ۔

---

[1] مراد 'ہائے ہوز' سے ہے ۔ (ق)
[2] مراد 'ہائے مختفی' سے ہے ۔ (ق)

۶۴ــــــ اردو اسما کا آخری الف ہریانی اور برج کے " ے و " کا اور بنگالی آسامی، اڑیا میتھلی کے ' ے ' کا قائم مقام ہے شاید اس لیے ان دو مصوتوں پر ختم ہونے والے اسما اردو میں کم ہیں ۔ " ا " پر ختم ہونے والے اسما کی بہتات یا بھرمار یہ بتاتی ہے کہ اردو " ا " والی بولی ہے ۔

۶۵ــــــ پاک ہند کے مشرقی علاقے میں بولی جانے والی بولیوں بہاری، بھوجپوری وغیرہ میں عموماً اسم کی دو یا تین شکلیں ملتی ہیں (طویل، قصیر، طویل تر) ۔ جیسے : گھوڑ، گھوڑا، گھوڑوا، مالی، مالیا، مالیاوا وغیرہ ۔ لیکن اردو میں بستر، بسترا، ڈور، ڈورا، پور، پوروا وغیرہ ۔

چند اسما کو چھوڑ کر (جس کی دو شکلیں رائج ہیں) ایک اسم کی عموماً ایک ہی شکل ہوتی ہے۔ بیشتر طویل کمتر قصیر۔

" وا " " یا " تصغیری لاحقے ہیں ۔ جن اسما کے آخر میں لاحقے ہوں انھیں اسم مصغر سمجھیے ۔ جیسے : گھروا ، دروا ، جُروا ، کھٹیا ، بِٹیا ، کُٹیا ۔

جنس

۶۶ ——— نر و مادہ کے امتیاز پر جنسی کلمے کی تقسیم "جنس" ہے۔ حقیقی اور غیر حقیقی (لفظی)۔ اِسس کی دو قسمیں ہیں۔ جان دار اشیا کی جنسی امتیاز حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لیے جان دار چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کی جنس حقیقی ہو گی اور بے جان چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کی جنس غیر حقیقی یعنی لفظی۔

مالی ، مالن ، گھوڑا ، گھوڑی ، ہرن ، ہرنی کی جنس حقیقی ہے۔ سونا ، چاندی ، پیسا ، دھیلی ، قلم ، کتاب کی جنس غیر حقیقی۔

جنس حقیقی کی مذکر و مونث (نر و مادہ) دو قسمیں ہو سکتی ہیں ، اسس لیے کہ جاندار کی صرف دو ہی اصناف ہیں ، قدرت نے بھی انھیں جوڑے جوڑے [ازواجاً (نر و مادہ)] پیدا کیا ہے۔ لیکن بے جان چیزوں کا جنسی امتیاز فرضی ہے۔ اس لیے سنسکرت وغیرہ قدیم آریائی اور دراوڑ نسل کی زبانوں میں بے جان چیزوں کے تین تین جوڑے رکھے گئے ہیں ۔ مذکر ، مونث اور بے جنس (نہ مذکر نہ مونث)۔ جنس کی اسس تیسری قسم کو سنسکرت میں "نپن سک" اور انگریزی میں "NEUTER" کہتے ہیں۔

اُردو میں جنس حقیقی کے قیاس پر غیر حقیقی کی بھی مذکر و مونث دو ہی قسمیں ہیں۔ بے جنس اسما کا اردو میں کبھی وجود تھا آج یہ اسما اردو میں مذکر ہیں اور عموماً مذکر بولے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مونث ہیں اور مونث بولے جاتے ہیں۔

(و) جنس حقیقی

۶۷ ——— ایک لفظ کو ردّ و بدل کے بعد عموماً مذکر یا مونث بنا لیا جاتا ہے لیکن اردو میں دُوسری زبانوں کی طرح) کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو مذکر ہیں یا مونث۔ مذکر کے لیے الگ لفظ ہے اور مونث کے لیے الگ۔

مذکر	مونث
باپ ، بادا	ماں ، امّاں
بھائی	بہن
میاں ، خاوند ، شوہر	زوجہ ، بیوی
سسر	ساس
خصم	جورُو
صاحب	میم
نواب	بیگم
بادشاہ	ملکہ
غلام	لونڈی
بیل	گائے
مینڈھا	بھیڑ
لال [1]	چتی [2]

جنس حقیقی میں مذکر کے مقابل مونث اور مونث کے مقابل مذکر کا ہونا ضروری ہے ، اس لیے ان پر دلالت کرنے والے لفظی جوڑے بھی ہوں گے (ایک لفظ سے بنے ہوں یا الگ الگ دو لفظوں سے)۔ غیر حقیقی میں اس کی ضرورت نہیں کہ مذکر کے مقابل مونث یا اس کے برعکس مونث کے مقابل مذکر ہو۔ لیکن کچھ اسما اردو میں مذکر ہیں ان کے مقابل مونث نہیں ، کچھ مونث ہیں ان کے مقابل مذکر نہیں۔ نر و مادہ کا امتیاز کرکے مذکر کے لیے مونث اور مونث کے لیے مذکر شاید اس لیے وضع نہیں ہوا کہ ان میں تذکیر و تانیث کا امتیاز مشکل ہے :

بیا [3] ، چوہا [3] ، طوطا ، کوّا ، اُلّو ، خرگوش ، گدھ ، لنگور ، بھیڑیا ، تیتر [3] ، گینڈا ، چیتا ، تیندوا ، مچھر مذکر ہیں۔

فاختہ ، مَینا ، چیل ، ابابیل ، قمری ، مرغابی ، پَن ڈُبی [4] ، مکھی ، چھپکلی ، تتلی ، دیمک ،

---

[1] اس کی تانیث نہیں آتی۔ (ق)

[2] یہ دراصل تصغیر ہے اور چھوٹے یاقوت وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت "لالڑی" سے بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ لفظ بے جان اسما میں تو شامل ہو سکتا ہے کہ تصغیر میں تانیث شامل ہو جاتی ہے۔ (ق)

[3] چوہا کی تانیث چوہی اور چُوہیا مستعمل ہے۔ تیتر کی تانیث تیتری عام ہے۔ بیا کی تانیث بھی بئی مروج ہے۔ (ق)

[4] اس کا مذکر "پن ڈُبا" موجود ہے۔ (ق)

مونث ہیں۔

جو اسما مذکر (یا مونث) ہیں اور ان کے مقابل مونث (یا مذکر) نہیں، انھیں قواعدی جنس کے ذیل میں رکھا جائے اور ان کی تذکیر و تانیث کو (قواعدی جنس کی طرح) ان کی ساخت اور ظاہری بناوٹ پر انھیں قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ چوہا، 'کوا' اس لیے مذکر ہیں کہ ان کے آخر میں "ا" ہے اور قمری، مرغابی، مکھی اس لیے مونث ہیں کہ ان کے آخر میں "ی" ہے۔

۶۸ —— جن اسما کی جنس کسی علامت سے متعین ہوتی ہے، علامت کے ردّ و بدل سے ان کی جنس میں تبدیلی کی جاسکتی اور مذکر سے مونث یا مونث سے مذکر لفظ بآسانی ڈھالا جاسکتا ہے۔ مثلاً لڑکا، لڑکی، کنجڑا، کنجڑن، اُونٹ، اونٹنی، شیر، شیرنی، ہاتھی، ہتھنی، جولاہا، جولاہی، کلّو، کلّو (واو مجہول) وغیرہ۔

ان مثالوں میں 'ا' کو 'ی' سے بدلا گیا ہے اور واو معروف کو واو مجہول سے۔ بعض کلموں کے آخر میں 'ی' 'نی' یا 'ن' بڑھاکر مذکر کو مونث بنایا گیا ہے۔

'الف' 'ہ' 'و' (معروف) اردو میں عموماً مذکر کی علامات ہیں اور 'ی' 'ن' 'نی' 'و' (مجہول) مونث کی۔

مفصلہ ذیل اسما اردو میں مذکر ہیں:

(۱) پراکرتی اسما جن کے آخر میں "ا" ہے: بھینسا، گدھا، گھوڑا، کتّا، مرغا، لڑکا، بیٹا، بلّا، کوّا، طوطا، کنجڑا، چیتا، گینڈا، تیندوا، بیا، چچا، دادا، پھوپا، نواسا، بھتیجا، بھانجا، پوتا۔

دوا، بوا، اتا مستثنیٰ ہیں، ان کا "ا" تانیث کے لیے ہے۔

(۲) فارسی (عربی) اسما جن کے آخر میں 'ہ' (یا الف) ہے: چوزہ، بچہ، خواجہ، پردہ، بندہ، شہزادہ، بےچارہ، سقّا۔

جن کے آخر میں تانیث کی 'ہ' (یا الف مکسورہ) ہے وہ مستثنیٰ ہیں: سلطانہ، ملکہ، معلّمہ، ساقیہ، مسلمہ، سلمیٰ، لیلیٰ، کبریٰ۔

ہمشیرہ، ہم خواہ، بیوہ کو بھی اسی ذیل میں رکھیں گے اگرچہ ان کی 'ہ' تانیث کی نہیں۔

(۳) کلمے جن کے آخر میں 'و' (واو معروف) ہے: بچھو، بجّو، بدّھو، کلّو، کھاؤو، کماؤو، اجاڑو، پشّو، پیہو۔

(۴) اسماجن کے آخر میں "ـِ ی" (نسبتی)، یا "چی" ہے: سپاہی، لاہوری، پنجابی، شہری، دیہاتی، پہاڑی، چپراسی، جنگلی، سوامی، حلوائی، قصائی، توپچی، خزانچی، مشعل چی، طبلچی۔

(۵) عربی اسم فاعل کے صیغے جو "ی" پرختم ہوتے ہیں: قاضی، منشی، مفتی، حاجی، راضی، ناجی، شاکی، ساقی۔

(۶) پیشہ وروں کے نام جن کے آخر کی "ی" سنسکرت "ـِ" کا بدل ہے یا اس کے قائم مقام ہے: تیلی، تنبولی، مالی، موچی، دھوبی، گھوسی، درزی، کولی، نائی، پجاری، بھنگی، مداری۔

۷۔ ——— لاحقات تانیث (ی، ن، نی وغیرہ) کی مدد سے مذکر کو مونث بنایا جاتا ہے:

(۱) "ا" یا "ہ" پرختم ہونے والے اسما ہیں:

(i) "ا (ہ)" کو "ی" سے بدل کر: گدھی، گھوڑی، مرغی، لڑکی، بیٹی، بلی، دادی، نانی، چچی، پھوپی، نواسی، بھتیجی، بندی، بچی۔

(ii) "ا" کو "یا" سے بدل کر: کُتیا، چُوہیا، گدھیا، چڑیا[1]

(۲) "ـِ ی" یا "چی" پرختم ہونے والے اسما ہیں:

(i) "ی" کی جگہ "ـِ ن" لگاکر: ساتھن، مالن، مولن، تنبولن، دھوبن، منشن، خزانچن، بھنگن، چپراسن، جوگن، نائن، گھوسن، پہاڑن، دیہاتن، بنگالن، پنجابن۔

(ii) "ی" کی جگہ "نی" لگاکر: قسائنی، حلوائنی، قضیانی، سپاہنی، ہتھنی۔

(۳) "و" پرختم ہونے والے اسما ہیں، و معروف کو مجہول سے بدل کر: مٹکو، کلّو، کھڈّو، موٹو، بڈھو، چٹرو۔

(۴) صحیح الآخر اسما کے آخر میں:

(i) "نی" یا "ـِ انی" اضافہ کرکے: شیرنی، اونٹنی، ممانی (ماموں سے)، استانی (استاد سے)، مورنی، فقیرنی، مورنی، ڈومنی، مغلانی (مغل سے)، بھتنی (بھوت سے)، جٹھانی، دیورانی، مہترانی، پنڈتانی، سیٹھانی،

---

[1] ان میں "ا" کو "یا" سے نہیں بدلا گیا بلکہ "ا" تصغیر کا ہے کیونکہ تانیث تو "کتی، چوہی، گدھی، چڑی" موجود ہے۔ "چڑی کا غلام" عام ہے۔ "بندری" بھی تانیث موجود ہے۔ تصغیر عموماً تانیث بنتی ہے اس لیے ان میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ (ق)

سیتانی، جاٹنی، نٹنی۔

(ii) "ی" بڑھاکر: برہمنی، پٹھانی، کبوتری، چماری، کہاری، کمہاری، تیتری۔

(iii) "ـن" بڑھاکر: ناگن، دھبین، کمہارن، سُنارن، لوہارن۔

(iv) "ـیا" لگاکر: بندریا[1]

۵۔ معلول الآخر اسما کے آخر میں:

(i) "ـن" لگاکر: دلہن (دُولہا سے)، مِتّن (متّا سے)، بنجارن (بنجارا سے)، گھسیارن (گھسیارا سے)۔

(ii) "نی" لگاکر: مُلانی (مُلا سے)، ہندنی (ہندو سے)۔

۱ ۔ ـــــــ عربی مستعار لفظوں میں تانیث کے لیے 'ہ' علامتِ تانیث اضافہ ہوتی ہے: معلمہ، مالکہ، سلطانہ، سائلہ، قافلہ، رئیسہ، فائقہ۔

اردو میں مشترک یا عام جنس (COMMON GENDER) نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مذکر کا اطلاق مونث پر کیا جائے یا مذکر سے مونث مراد لی جائے اور بچی کو بچہ سے اور گھوڑی کو جانور سے تعبیر کرکے کہا جائے: یہ میرا بچہ ہے، کیسا اچھا جانور ہے۔ اس صورت میں بھی 'بچہ' اور 'جانور' مذکر ہی رہیں گے۔ یہ مجازی استعمال ہے جسے قواعد میں تغلیب (مذکر کو مونث پر غلبہ کرنا) کہتے ہیں۔

(ب) جنس غیر حقیقی

۲ ۔ ـــــــ جنس غیر حقیقی کی قیاسی اور سماعی دو قسمیں ہیں جو اسما لاحقۂ تذکیر و تانیث کی بنا پر مذکر یا مونث قرار دیے گئے ان کی جنس قیاسی اور جو جنس علامت کے بغیر مذکر یا مونث بولے جاتے ہیں ان کی جنس سماعی ہوگی۔ 'چولھا' اور 'کوٹھی' کی جنس قیاسی ہے، مشک اور قلم کی سماعی۔

جنس قیاسی

۱ علاماتِ ذیل کے حامل اسما اردو میں مذکر ہیں:

(۱) پراکرتی الفاظ جن کے آخر میں "ـا" ہے: گھڑا، ڈبّا، چولھا، مٹکا، کھٹولا، کرتا، ڈولا، دھڑا، ڈیرا، دھیلا، گدا، بچھونا، دھرنا۔

سنسکرتی الفاظ جن کے آخر میں الف تانیث ہے اس سے مستثنیٰ ہوں گے: پوجا، مایا، گنگا، جمنا، مالا، بھاشا، بھاکا، سبھا، جٹا، سیتلا۔

---

[1] ص ۶۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

’ہ‘ (ہائے مختفی) پر ختم ہونے والے فارسی الفاظ اور اردو کے ’ہ‘ سے لکھے جانے والے اسما اس ذیل میں آتے ہیں: حقہ، ہفتہ، پیشہ، مہینہ، روپیہ، پیسہ، کشتہ، پشتہ، روزہ، روزمرہ، روزینہ، زینہ، پسینہ، بقچہ، پیالہ، صندوقچہ۔

(۲) جن اسما کے آخر میں ”ـُـو“ ہے: نیبو، ستو، چاقو، پلو، گیسو، ٹیسو، تالو، بالو، آلو، پیڑو، پیلو، بازو، کاجو، رتالو، جادو، پہلو، نینو، سینو۔

بنی نینو سینو کی گلشن کی ہیں
ہے نئی نئی قطع ان کی تو گوٹ کی

ذیل کے الفاظ اس سے مستثنیٰ ہیں:

ترازو، آبرو، آرزو، دارو، خو، بو، جھاڑو، بہارو۔

(۳) اسما (مصادر) جن کے آخر میں ’پن‘ ہے: بڑپن، لڑکپن، تیاپن، چھوٹاپن، بھولپن، سیدھاپن، چیتن۔

(۴) مصادر (اسما) جو ”ـَـاو“ پر ختم ہوتے ہیں: برتاو، بچاو، بناو، دباو، لگاو، تاو، اٹکاو، بچھاو، سبھاو، الاو، بھاو۔

’ناو‘ کشتی کے معنوں میں مونث ہے۔

(۵) عربی الفاظ جن کے آخر کی ”ۃ“ وقف کی بنا پر ”ہ“ ہوگئی ہے: صفحہ، روضہ، واقعہ، مشاعرہ، محاکمہ، مجادلہ، مناظرہ، معاملہ، مرتبہ، مشغلہ۔

لیکن دفعہ، توبہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۷ —— ذیل کے اسما مونث ہیں:

(۱) جن کے آخر میں ”ـِـی“ ہے: لکڑی، کوٹھی، کنجی، تالی، نالی، روٹی، ڈالی، ہڈی، سبزی، ڈیوڑھی، گشتی، بھرتی، زندگی، جستی، پائندگی، برتری، صراحی، چنبیلی۔

جن کی ”ی“ اصلی یا سنسکرت ”ـِـ“ کے اتباع کی پیدائش ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے: جی، گھی، موتی، پانی، دہی[لہ]، ہاتھی۔

(۲) جن کے آخر میں ”یا“ (ـِـیا) ہے: ڈبیا، بھجیا، ڈلیا، ٹھلیا، انگیا، چٹیا، چھالیا، گڑیا، بڑیا، کھٹیا، ٹکیا، گبیا، امبیا، گتیا۔

لہ ’دہی‘ مونث بھی ہے ۔ (ق)

وھیا ، ولیا ، قلیا کے آخر میں "یا" نہیں "ا" ہے اور 'لھریا' کے آخر میں "یا" فاعلی ہے ، یہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(۳) عربی مصادر :

(ا) جن کے آخر کی "ۃ" اردو میں "ت" لکھی جاتی ہے : رحمت ، عنایت ، محبت ، ندامت ، ہدایت ، معاملت ، خجالت ، مصاحبت ، تربیت ، تقویت ، شرکت ، بدایت ، نہایت

(ب) جو تین حرفوں پر مشتمل ہیں اور آخر میں "ا" آتا ہے : ادا ، قضا ، حیا ، وفا ، ضیا ، رضا ، خطا ، جفا۔

(۴) پراکرتی حاصل مصدر :

(ا) جو ـــان ، ـــاس ، ـــت ، وٹ (ہٹ) پر ختم ہوتے ہیں : اونچان ، نیچان ، تھکان ، لگان ، اُٹھان ، مٹھاس ، کھٹاس ، پیاس ، پھکاس ، چلت ، پھرت ، بچت ، بناوٹ ، لگاوٹ ، گھبراہٹ ، سجاوٹ ، نیلاہٹ۔

(ب) جو علامت مصدر یا اس کا الف گرانے سے بنے ہیں : لُوٹ ، کھسوٹ ، بھڑک ، چوک ، جھلک ، پھونک ، پھسلن ، دھڑکن۔

۴ ۔ ـــــ جن اسما کے ماقبل آخر "ـِـی" ہے وہ عموماً مونث بولے جاتے ہیں : کھیر ، بھیڑ ، چھیڑ ، فیس ، ریس ، بھیس ، جھیل ، چیل ، ڈھیل ، سینک ، سیل۔

تفعیل کے وزن پہ عربی مصدر اسی ذیل میں آتے ہیں : تقریر ، تحریر ، تصویر ، تعبیر ، تاخیر ، تشکیل ، تعمیل ، تعجیل ، تاویل ، تقدیم۔

۵ ۔ ـــــ "ـِش" کے اضافے سے بنائے گئے حاصل مصدر بھی شاید اس لیے مونث ہیں کہ ان کے ماقبل آخر زیر ہے : خواہِش ، آرائِش ، آزمائِش ، پیمائِش ، گردِش ، پرورِش ، سوزِش ، بخشِش ، کوشِش ، ورزِش ، بارِش ، سفارِش۔

۶ ۔ ـــــ جنس سماعی کی ایک قسم ان الفاظ پر مشتمل ہے جو کسی علامت تانیث کے حامل تھے ، آج گھس پس کر علامت گم کر چکے ہیں۔ درج ذیل الفاظ کے آخر میں سنسکرت لاحقہ تانیث "ا" ہوا کرتا تھا : اون (اوڑنا) ، کھاٹ (کھٹوا) ، چھانو (چھپایا) ، جانگھ (جنگھا) ، جیبھ (جھوا) ، نیند (ندرا) ، راکھ (رکشا) ، باگ (ولگا) ، بات (وارتا) ، سیج (شیتا) ، سل (شلا) ، سونڈ (سنڈا) ، سانجھ (سندھیا)۔

۷ ۔ ـــــ دوسری قسم کا مدار لفظ کے مفہوم و معنیٰ پر ہے۔ اور جیسا کہ مولوی عبدالحق نے

لکھا ہے: "اردو میں عام طور سے بڑی، بھاری، قوی یا عظیم الشان اشیا پر دلالت کرنے والے اسما 'مذکر' اور چھوٹی، کمزور اور ہلکی پھلکی چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کو 'مونث' بولتے ہیں۔ فاختہ، ابابیل، مینا، مونث ہیں اور خرگوش، گدھ، لنگور مذکر۔"

۸ ۔ ——— جنس سماعی کی تیسری قسم کا تعلق قیاس سے ہے۔ ایک لفظ کو دوسرے پر قیاس کرکے جنس کی تعیین کرتے اور لفظ کو مذکر یا مونث ٹھیراتے ہیں۔ مثلاً نزاع کو جھگڑے کے معنوں میں یا استعداد کو صلاحیت کے معنوں میں لے کر اور لغت کو ڈکشنری[1] پر قیاس کرکے اول الذکر کو مذکر اور آخر الذکر دونوں لفظوں کو مونث کہتے ہیں۔

قیاس کی بنیاد ترادف یعنی دو لفظوں کے ہم معنی یا قریب المعنی ہونے پر ہے۔ ایک لفظ مونث یا مذکر ہے، دوسرے لفظ کو جو اس کا ہم معنی ہے اس پر قیاس کرکے مذکر یا مونث بولتے ہیں۔ گاڑی کے معنوں میں ریل مونث ہے۔ مدرسہ کے معنوں میں اسکول مذکر۔ "گورنمنٹ" حکومت کے معنوں میں مونث ہے۔ آفس، دفتر کے معنوں میں مذکر۔ 'رات' مونث ہے، اس کے ہم معنی الفاظ شب، لیل، رین سب مونث ہوئے۔ 'برس' مذکر تھا، سال بھی مذکر ہوا۔ 'شراب' مونث ہے، بادہ، مے، راوق، مدھ مونث ہوں گے۔

ہم صورت (اور کبھی کبھی ہم صوت) ہونے کی وجہ سے بھی ایک لفظ کو دوسرے پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ عربی، فارسی یا کسی اور زبان کا لفظ "ا" یا "ی" پر ختم ہو تو اردو کے "ا" والے الفاظ پر قیاس کرکے اسے مذکر اور "ی" والے الفاظ پر قیاس کرکے مونث بولیں گے۔ فیکلٹی اور یونیورسٹی مونث ہیں۔ سایا (لہنگا) اور کمرا مذکر۔ 'شاخ' کو مونث کہا گیا کہ ٹہنی یا ڈالی مونث تھی۔ کھیت کے قیاس پر ریت ہی مذکر نہیں، اس کے ہم صوت بید، وید، بھید، چھید بھی مذکر ہی ہیں۔

۹ ۔ ——— نسبت کی بنا پر بھی الفاظ کو مذکر یا مونث ٹھیرایا گیا ہے۔ 'مہینہ' مذکر ہے، اس کے تعلق سے چیت، بیساکھ، مئی، جون، رجب، شعبان والے مہینوں کے نام سب مذکر ہوئے۔

'دن' مذکر ہے، اس کی نسبت سے سنیچر، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعہ ہفتے کے دن مذکر کہلاتے۔ جمعرات' رات کی وجہ سے مونث ہے۔

---

[1] میرے خیال میں یہ "فرہنگ" کے زیرِ اثر ہے۔ کیونکہ لغت بمعنی لفظ مذکر ہے اور فرہنگ الفاظ پر مشتمل کتاب کے لیے مونث، اس کی تانیث میں کتاب کی تانیث کا بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ (ق)

'غلّہ' مذکر ہے، غلّوں کے نام بھی مذکر ہیں: گیہوں، جَو، مٹر، ارو، چنا۔
'دال' مونث ہے اور دالوں کے نام بھی: مسور، ارہر، مونگ۔
'زبان' مونث تھی، زبانوں کے نام بھی مونث قرار پائے: اردو، پنجابی، پشتو، فارسی، سنسکرت، پراکرت، تامل وغیرہ۔
نماز کی وجہ سے نمازوں کے نام مونث بولے جاتے ہیں: فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا۔
'ہوا' مونث ہے اس لیے پُروا، پچھوا، صبا، دَبُور[1]، نسیم، لُو، آندھی وغیرہ ہوا کی قسمیں مونث ہوئیں۔ "بگولا" 'ا' کی وجہ سے مذکر ہے اور جھکّڑ علامتِ تکبیر کی وجہ سے۔

ستاروں کے نام مذکر ہیں: زحل، عطارد، مشتری، برہسپت، شکر۔
اور پہاڑوں کے نام بھی: ہندوکش، بندھیاچل، مسوری، شملہ، مری وغیرہ۔

٨٠ ——— کچھ الفاظ ذوجنسین ہیں، مذکر بھی ہیں اور مونث بھی۔ بعض معنوں میں مذکر اور بعض دُوسرے معنوں میں مونث:

آب : پانی کے معنوں میں مذکر اور چمک کے معنوں میں مونث۔
بیت : گھر کے معنوں میں مذکر اور شعر کے معنوں میں مونث۔
تال : تالاب کے معنوں میں مذکر، وزنِ موسیقی کے معنوں میں مونث۔
ترک : چھوڑنے کے معنی میں مذکر اور اس لفظ کے معنوں میں جو صفحے کے نیچے لکھوایا جاتا ہے 'مونث'[2]
چاند ، بیٹے (یا قمر) کے معنوں میں مذکر، چندیا کے معنوں میں مونث۔
عرض : طول کی ضد مذکر، بمعنی التماس مونث۔
فصل : جدائی کے معنوں میں مذکر، موسم اور کتاب کے ایک حصّے کے معنوں میں مونث۔
کف : جھاگ کے معنوں میں مذکر' ہتھیلی کے معنوں میں مونث۔
گزر : گزرنے کے معنوں میں مذکر اور گزرِ اوقات کے معنوں میں مونث۔
لگن : برتن کے معنوں میں مذکر، لگاؤ کے معنوں میں مونث۔

---

[1] دَبُور: پچھوا ہوا۔ یہ اردو میں عام نہیں، اس کے بجائے 'باد' 'پون' وغیرہ عام ہیں۔ (ق)
[2] یہ ان دونوں معنوں میں مذکر ہے۔ (ق)

مد : الف ممدودہ اور طغیانی آب کے معنوں میں مذکر، حساب یا شق کے معنوں میں مونث۔

مغرب : جائے غروب کے معنی میں مذکر، وقت غروب کے معنوں میں مونث۔

نال : ڈنڈی کے معنوں میں مونث، جوڑیوں میں ڈالے جانے والے چکر کے لیے مذکر۔[1]

۸۱ ——— مرکبات (یا ترکیبات) کی صورت میں اجزا پر نظر کی جائے گی۔ ایک جنس کے ہوں تو اجزا کے مطابق مذکر یا مونث ہوتا ہے۔

مونث ترکیبیں:

تراش خراش، قطع و برید، خرید و فروخت، دوڑ دھوپ، داد و دہش، آمد و رفت، مارپیٹ، ہار جیت، پکڑ دھکڑ، ساز باز، چال ڈھال، دھر پٹک، چیخ و پکار۔

مذکر ترکیبیں:

رنگ و رُوپ، کام دھام، سوز و گداز، کاروبار، بندوبست، گھر بار، طور طریق، رہن سہن، ساز و سامان، آب و دانہ، گل قند۔

ایک مذکر ہے دوسرا مونث، تو تذکیر و تانیث آخری جز کے لحاظ سے ہوگی۔

مذکر ترکیبیں:

عنایت نامہ، خلوت خانہ، کشت و خون، نماز روزہ، ناک کان، ناک نقشا، ڈھول دھپا، نان و نمک۔

مونث ترکیبیں:

آب ہوا، قلم دوات، آب و گل، خط کتابت، گھڑ دوڑ، سال گرہ، آبجو۔

۸۲ ——— ترکیب سے نئے معنی پیدا ہوں تو اجزا کو نظر انداز کر کے نئے معنوں کے لحاظ سے مرکب کو مذکر یا مونث قرار دیا جائے گا: "قلم رو" اور "دوپہر" مونث ہیں۔ جوتا ٹوپی، دن رات، دھن دولت، حساب کتاب مذکر۔

---

[1] 'نال' بمعنی قلم تراشنے میں جو اس کے خول میں سے ریشہ نکلتا ہے یا 'نرسل' مذکر ہے۔ اور ناف کے معنی میں مختلف فیہ یعنی مذکر و مونث دونوں طرح بولتے ہیں۔ جوڑیوں میں ڈالے جانے والے چکر کو 'نال' نہیں 'ہال' کہتے ہیں جو پہیوں پر لوہے کا حلقہ چڑھایا جاتا ہے۔ اور اگر یہاں جوڑی سے مراد جوتا ہے تو وہ 'نال' نہیں 'نعل' ہے جو ان کی ایڑیوں میں جڑا جاتا ہے۔ میرے خیال میں جوڑی سے مراد پہیوں کی جوڑی ہے۔ (ق)

جو روز ہے وہ طول میں گویا ہے روزِ حشر
برسوں سے دوپہر نہیں ڈھلتی ہے ہجر میں (ناسخ)

۸۳ ــــــ اخذ و اشتقاق کی صورت میں بان، بند، دان، ستان، سار، زار وغیرہ ظرفی لاحقوں والے کلمے مذکر ہیں، پاسبان، سینہ بند، کمربند، ازار بند، قلمدان، گلستاں، بوستاں، کوہسار، لالہ زار، گلزار۔ اور "گاہ" والے کلمے مونث ہیں، درس گاہ، قیام گاہ، بندرگاہ۔

۸۴ ــــــ جو عربی الفاظ اُردو میں مونث ہیں عربی قاعدے سے ان کی جمع (ات کے اضافے سے بنی ہو یا کسی خاص وزن پر) مونث ہو گی اور جو مذکر ہیں ان کی جمع مذکر ہو گی، شے، مجلس، مسجد کی جمع اشیا، مجالس، مساجد مونث ہے۔ عمل اور فعل کی جمع اعمال اور افعال مذکر۔ ایجاد (مونث) کی جمع ایجادات مونث۔ اعتراف (مذکر) کی جمع اعترافات مذکر۔

وہ الفاظ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو علامت تانیث "ت" کی وجہ سے مونث تھے اور جب ان کی جمع بنی تو علامتِ تانیث باقی نہ رہی۔ معرفت، حقیقت، قوت کی جمع معارف، حقائق، قویٰ اردو میں مذکر ہیں۔ اس لیے نہیں کہ عربی ہیں اور عربی جمعیں مذکر ہوتی ہیں بلکہ اس لیے مذکر ہیں کہ ان کا انداز تذکیر کا ہے اور ان میں تانیث کی وہ علامت اب نہیں رہی جو واحد میں تھی۔

۸۵ ــــــ لفظوں کی تذکیر و تانیث متفقہ مسئلہ نہیں۔ اس میں اختلاف بھی دیکھا گیا ہے۔ زیادہ نہ سہی کچھ الفاظ ایسے ضرور ہیں جنھیں اہلِ زبان کا ایک طبقہ مذکر اور دوسرا مونث بولتا اور لکھتا ہے۔ اس اختلاف کو کریدا جائے اور اس کا علمی تجزیہ کیا جائے تو کسی حد تک اس کی توجیہہ ہو سکتی ہے۔

اس اختلاف کی ایک بڑی وجہ تو عہد اور زمانے کا اختلاف ہے۔ آج سے پہلے ایک لفظ مذکر تھا آج مونث ہے۔ اس کے برخلاف پہلے مونث بولا جاتا تھا اب مذکر بولا جاتا ہے۔ حشر کو میرؔ نے مونث نظم کیا ہے:

خلق یکجا ہوئی کنارے پر
حشر برپا ہوئی کنارے پر

"خواب" ولیؔ کے یہاں مونث ہے:

خواب خوش آتی نہیں ہے شب کو تجھ بن اے صنم
جب سوں دیکھے ہیں تری تصویر یاراں الغیاث

آج یہ دونوں لفظ باتفاق مذکر ہیں۔

سانس میرؔ کی زبان پر مونث تھا۔ ظفرؔ نے بھی مونث ہی نظم کیا ہے اور ذوقؔ نے بھی:

ہمیشہ چپ ہی رہے ہم کبھی جو ٹھنڈی سانس
بھری بھی ہم نے تو ہو کر تنگ جاں سے بھری
کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد
سینے میں ہو گی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد

لیکن داغؔ کہتے ہیں، میں نے جب سے ہوش سنبھالا سانس کا لفظ دہلی میں مذکر ہی بولتے سنا۔[1]

"بلا" اور "برسات" کو بھی میرؔ مذکر لکھتے ہیں:

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے
کیا جانئے میرؔ دل کو مرے کیا بلا ہوا

ہم کو درپیش تھا سفر آیا جب کہ برسات سر ہی پر آیا

آج یہ الفاظ مونث ہیں۔ "ایما" مذکر ہے، میرؔ کے یہاں مونث بندھا ہے:

بعد ازاں ایما سے ابرو کی کہ جان
صحن ہی میں سے ہوا وہ مدح خواں

دُوسری وجہ اختلافِ قیاس و معنی سمجھیے۔ ایک لفظ خاص معنوں میں یا خاص لفظ کے قیاس پر مذکر یا مونث بولا جاتا ہے۔ "نزاع" کو بحث کے معنوں میں اہلِ لغت نے مونث لکھا تھا۔ اہلِ دہلی جھگڑے کے معنی لے کر مذکر بولتے ہیں۔ سانس کو بھی اس ذیل میں رکھ سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آہ کے معنوں میں مونث اور دم کے معنوں میں مذکر ہے۔ "گریز" جھگڑے کے معنوں میں مونث ہے:

عشق جب وارد ہوا کی عقل نے دل سے گریز (ناسخؔ)

اجتناب اور پرہیز کے قیاس پر مذکر:

جس سے گریز تھا مجھے اب ہے اُسی کا اشتیاق (رشکؔ)

"طرز" کے معنی طور و اسلوب لیں تو مذکر:

اے بحرؔ غزل کہی جو تم نے
پر طرزِ کلام میرؔ کا ہے (بحرؔ)

روش کے معنی لیں تو مونث:

---

[1] "سانس" کی تذکیر میں لکھنؤ کا اثر کارفرما ہوا، ورنہ دہلی اور نواحِ دہلی میں یہ مونث تھا اور اب بھی محتاط حضرات مونث ہی بولتے اور لکھتے ہیں، اس لیے دونوں طرح جائز ہے۔ (ق)

کیا جانیں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ابہام بھی نہیں (میرؔ)

مرزا داغؔ کا ارشاد ہے 'طرز' مونث ہے مذکر ہرگز نہیں۔

۸۶ ـــــ لفظ کی ظاہری بناوٹ اور شکل و شباہت سے فریب کھا کر بھی اہل زبان نے لفظ کی جنس میں اختلاف کیا ہے اور ایک ہی لفظ کو بعضوں نے مذکر اور بعضوں نے مونث لکھا ہے۔ اردو میں "ا" تذکیر کی نشانی ہے اور سنسکرت میں تانیث کی۔ اہلِ لکھنؤ "پوجا" اور "مالا" وغیرہ سنسکرتی الفاظ کو اردو سمجھ کر مذکر بولتے ہیں جب کہ یہ الفاظ مونث ہیں اور ان کا "الف" تانیث کا ہے۔ اس کے برعکس املا لکھنؤ میں مونث تھا لیکن دہلی اور اس کے نواح میں مذکر ہے شاید اس لیے کہ اس کے آخر میں الف ہے۔ ساخت پر جن کی نظر گئی انھوں نے املا کو مذکر لکھا:

عالمِ وحشت میں جب لکھا کوئی خط فراق
ربط بگڑا میری انشا کا غلط املا ہوا

جو اس کے معنی پر نظر رکھتے تھے وہ مونث کہا کیے:

خامۂ جاناں ہے یا لکھا مری تقدیر کا
خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

"ہ" اُردو میں الف کے حکم میں ہے اور الف کی طرح تذکیر کی علامت ہے۔ شاید اس لیے "پنبہ" مذکر ہوا:

کون کہتا ہے نہیں گرمیِ صحبت میں اثر
جل اُٹھا پنبہ شرر سے جو ہم آغوش ہوا

بعض ادب دوستوں نے رُوئی کے قیاس پر مونث لکھا ہے۔ 'بہا' کے معنی ہیں قیمت، اسے مونث ہونا چاہیے۔ یاسؔ نے مونث ہی نظم کیا تھا:

رو نہ اے چشم یہ اشکوں کو بہا دیتی ہے
دے کے یہ گوہرِ شہوار بہا لیتی ہے

لیکن آتشؔ شاید الف پر نظر کر کے مذکر بتاتے ہیں۔ "فاتحہ" کو "ہ" کی بنا پر مذکر کہا گیا:

پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا

لیکن یہ دُعا کے معنوں میں ہے اور مونث ہے:

رو کر کہا زینب نے بہن ہو گئی واری
میں جیتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمھاری (انیسؔ)

"خستہ" کو اہلِ لکھنؤ شاید اس لیے مذکر بولتے ہیں کہ اس کے آخر میں "ہ" ہے۔ "دہی" کی "ی" ویسی ہی ہے جیسی "گھی" کی۔ لیکن بعض لوگ یائے تانیث سمجھ کر دہی کو مونث بتاتے ہیں۔ "موتی" انشا کے نزدیک "ی" کی وجہ سے مونث ہے۔ اس کی تذکیر کو وہ شہرت پر مبنی اور شاذ بتاتے ہیں "موتی بمعنی گوہر قیاسی و تذکیر آں بسبب شہرت شاذ است۔" (دریائے لطافت، ص ۲۱۸)

۸۷ ـــــ ایک خاصی بڑی تعداد اردو میں ایسے الفاظ کی بھی ہے جو بعض علاقوں میں مذکر اور بعض دوسرے علاقوں میں مونث ہیں اور ان کے اس جنسی اختلاف کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ ان پر ان علاقوں کی چھاپ ہے۔ خاص ماحول اور معاشرے کے زیر اثر یہ مذکر یا مونث قرار پائے۔ "لفظ" لکھنؤ میں مونث ہے۔ "برس" ویسے تو مذکر ہے لیکن مونث کے قیاس پر "برسیں" جمع بنا کر "اہلِ لکھنؤ" اسے مونث بولتے اور "برسیں ہوگئیں" کہتے ہیں۔ "آواز" روہیل کھنڈ (خاص طور پر رامپور میں) مذکر بولا جاتا ہے۔ دہرانے کے معنوں میں "تکرار" باتفاق مونث ہے۔ مولوی عبدالحق نے مذکر لکھا ہے۔

لفظی تذکیر و تانیث میں منطق کی سی باقاعدگی نہیں اس لیے ہر اختلاف یا جنسی ناہمواری کی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً حروفِ تہجی کے اسما کو لیجیے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ دال، ڈال، ذال، طوے، ظوے مونث ہیں، سین، شین، صاد، ضاد، عین، غین، قاف، کاف، لام، نون، واو مذکر۔ اور جیم، میم مختلف فیہ۔

علامات تانیث "ی" اور "نی" براہِ راست سنسکرت "ـِ ی" اور "ـَ انی" سے اخذ کی گئی ہیں۔ رہا "ـَ ن" سو وہ بھی "ـَ انی" ہی کی تخفیف کا نتیجہ ہے۔

'عدد'

۸۸ ——— کلمہ کی قواعد کے اعتبار سے ایک فرد پر یا ایک سے زیادہ افراد پر دلالت عدد یا تعداد ہے۔ اُردو میں واحد اور جمع عدد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فرد پر دلالت کرے تو واحد۔ ایک سے زیادہ افراد پر دلالت کرے تو جمع۔ عورت واحد' عورتیں جمع۔ گھوڑا واحد' گھوڑے جمع۔

'عدد' انگریزی لفظ 'NUMBER' کا ترجمہ ہے۔ سنسکرت میں 'وچن' کہتے ہیں۔ عربی اور سنسکرت وغیرہ سامی اور آریائی زبانوں میں واحد اور جمع کے علاوہ عدد کی ایک قسم 'تثنیہ' بھی ہے جو دو افراد[1] پر دلالت کرتا ہے۔ سادگی اور سہل انگاری کے عام رجحان کے پیشِ نظر اردو کی طرح بیشتر جدید آریائی زبانیں تثنیہ کو 'ساقط' کر چکی ہیں۔

۸۹ ——— قدیم اُردو (اور دکن) میں مذکر یا مونث ہر اسم کی' جس کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' نہ ہو، بلا امتیاز (قائم و محرف) "اں" کے اضافے سے جمع بنائی جاتی تھی۔ جیسے: مائی سے مایاں[2]، بھائی سے بھایاں، دھمال سے دھمالاں، بات سے باتاں، حکمت سے حکتاں، عورت سے عورتاں۔

سنے یو بات مایاں ہور بھایاں (پھول بن)
جگت کوں کے سناتا نہیں ہیں باتاں (")
دھمالاں کرتیاں گھر گھر پھرت ہیں (بارہ ماسہ افضل)
عجب چالیں بھریاں ہیں عورتاں یو
نہ جانوں کاں نے سکیاں حکتاں یو (سب رس)

"اں" کو سنسکرت بے جنس اسما کے لاحقہ "ا ان" سے ماخوذ بتایا جاتا ہے لیکن اس پر فارسی لاحقہ جمع "اں" کا گہرا اثر بھی ہے۔ جمع کا یہ قاعدہ پنجابی کے علاوہ راجستھانی میں بھی ہے۔

---

[1] بعض زبانوں میں تین کے لیے جداگانہ صیغہ ہے اور بعض زبانوں میں چار کے لیے بھی۔ کچھ زبانیں ایسی بھی ہیں جن میں عدد کے لیے صیغے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

[2] اصل میں 'بھائیاں' اور 'مائیاں' تھا۔

قائم اور مغیرہ اسم کی دو حالتیں ہیں (ان کا ذکر آئندہ سطروں میں کیا جائے گا) - مغیرہ حالت میں اسم کے بعد 'نے' 'سے' 'پر' وغیرہ میں سے کوئی حرف لگتا ہے ۔ قائم حالت میں ان میں کا کوئی حرف نہیں ہوتا ۔ آج اردو میں حالت اور جنس کے پیشِ نظر اسم کی جمع بنائی جاتی ہے ۔

۹۰ ——— اسم مذکر کے آخر میں الف زائد (یا ہائے مختفی) نہ ہو تو واحد اور جمع دونوں صورتوں میں وہ یکساں رہے گا : مرد آیا ، مرد آئے ، لڈو کھایا ، لڈو کھائے ۔

اس نے دروازہ کیا تھا بند اگر اے تیرِ آہ
سیکڑوں روزن بنائے تھے در و دیوار میں (وزیر)

دانا ، شناسا ، دریا ، راجا ، چچا ، تایا وغیرہ الفاظ کا الف اصل ہے اس لیے ان کی جمع ان کے واحد سے مختلف نہ ہوگی ۔

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے (انیس)

لیکن بعض صورتوں میں کثرتِ استعمال سے اور قدیم دکن میں مرہٹی کے زیرِ اثر ان کے 'ا' کو 'ے' سے بدلا گیا ہے : راجے ، مہاراجے ، چچا تائے ۔

راجے راکھی گرد ہلاوے (خدانامہ)

۹۱ ——— جن مذکر اسما کے آخر میں الف زائد (یا 'ہ' مختفی) ہے ان کے 'ا' یا 'ہ' کو 'ے' سے بدل دیا جائے گا : گھوڑا ، گھوڑے ، پُرزہ ، پُرزے ، قلعہ ، قلعے ، مصرعہ ، مصرعے ، وقفہ ، وقفے ، نامہ ، نامے ، نالہ ، نالے ۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا (غالب)

قدیم اردو (اور دکن) میں بھی الف زائد کو 'ے' سے بدلا گیا ہے :

راکھ دانے انگلیاں کی بوٹ ہیں
رنگ بوٹاں میں مے عناب است (قلی قطب)

جیوں حافظ بولیا ہے ۔ دل کے گھر کے دروازے کھولیا ہے ۔ (سب رس)

'ے' براہِ راست سنسکرت اسما عامہ کے لاحقہ جمع 'ے' سے اخذ کی گئی ہے ۔

۹۲ ——— آخر میں 'ں' (غنہ) اور اس سے پہلے الف ہو تو حسبِ قاعدہ الف 'ے' سے بدل جائے گا ۔

واحد	جمع
رُواں	رُوئیں

گنواں — گنویں
دُھواں — دُھویں
سُواں (بڑی سُوئی) — سُویں

اور اگر آخر میں "ع" ہے تو "ع" کو برقرار رکھتے ہوئے "ے"[1] اضافہ کی جائے گی:

بُرقع — بُرقعے
ضلع — ضلعے
نفع — نفعے

۹۳ —— اسم مونث چار صورتیں ہیں:

(۱) حرف صحیح (یا "ۃ" "تی") پر ختم ہو تو "یں" اضافہ کریں گے (کلمے کی "ے" ہمزہ سے بدل جائے گی): ناو سے ناویں، عورت سے عورتیں، گائے سے گائیں، رات سے راتیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں (غالب)

بسر رفاقتِ حیدر میں اس نے راتیں کیں
نڈر تھی ایسی کہ شیرِ خدا سے باتیں کیں

سوداؔ کو خطاب کرکے کسی نے کہا تھا:

تم اپنے پیل معنی کو نکالو
مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

انشاؔ نے اس پر اعتراض کیا ہے:

"دو ٹکر صحت ندارد، دو ٹکریں مے باید۔" (دستور الفصاحت۔ ص ۲۱۳)

(۲) "ی" (یا "یا") پر ختم نہ ہو تو "اں" اضافہ ہوگا (اور "یا" کا الف گر جائے گا): چوڑی سے چوڑیاں، چڑیا سے چڑیاں، پری سے پریاں، کُٹیا سے کٹیاں۔

عجب نہیں گر چڑیاں سب مل کو جا دیں (پھول بن)
جلیں گے جہنم میں لکڑیاں نمن (نجات نامہ)

---

[1] صحیح صورت یہ ہے ماقبل "ع" کے فتحہ ہو تو اس فتحہ کو زیر سے بدل دیا جاتا ہے، البتہ بعض حضرات "مصرع" کو بطور جمع "مصرعے" لکھتے ہیں تو وہ "مصرعہ" کی جمع ہے "مصرع" کی نہیں۔ (ق)

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی (امیرؔ)

دیا شنکر نسیمؔ کے اس شعر میں :

دیکھا تو سب اس کے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

'پری' کی جگہ 'پریاں' چاہیے۔

(۳) "ے ا" "ہ" "یا" پر ختم ہو تو "ئیں" بڑھائیں گے ؛ لو سے لوئیں، مالا سے مالائیں، دُنیا سے دُنیائیں، جفا سے جفائیں، جورو سے جوروئیں، فاختہ سے فاختائیں۔

زمانے میں ہیں یادگارِ زمانہ
وفائیں ہماری جفائیں تمھاری

'ان' تو سنسکرت 'ے اِن' سے لیا ہی گیا ہے جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے۔ 'یں' اور 'ئیں' بھی 'ے اِن' ہی کی منحوت اور تبدیل شکلیں ہیں۔ ے ان = ے ائیں = یں۔

(۴) " ں" غنہ پر ختم ہو تو 'ئیں' (جب اس سے پہلے 'ا' یا 'و' ہو) یا 'یں' (جب اس سے پہلے ے و ہو) بڑھائیں گے۔

جمع	واحد
خزائیں	خزاں
مائیں	ماں
جُوئیں	جُوں
بھَوِیں	بھَوں

۹۴ —— صفت اور حالیہ مونث کی جمع جس کے آخر میں 'ی' ہے 'ں' (غنہ) کے اضافے سے بنتی ہے : کُھلی سے کُھلیں، جلی سے جلیں، اچھی سے اچھیں، بری سے بریں۔

محرف حالت میں بلا امتیاز تذکیر و تانیث اسم کی جمع 'وں' کے اضافے سے بنتی ہے :

(i) حرف صحیح اور 'ی' پر ختم ہونے والے اسما پر کسی تصرف کے بغیر : مردوں نے، گھروں میں، عورتوں سے، مالیوں کی، قاضیوں سے۔

(ii) الف زائد اور ہائے مختفی پر ختم ہونے والے اسما پر 'الف' یا 'ہ' گرانے کے بعد : لڑکوں نے، پردوں میں، ہفتوں سے، مہینوں تک۔

(iii) نون غنہ پر ختم ہونے والے الفاظ پر "ں" گرا کر : کنوؤں سے، ماؤں نے،

جوؤں سے ، خزاؤں میں ۔

(۱۷) واؤ پر ختم ہونے والے کلموں پر "و" کو ہمزۂ سے بدل کر : ہندؤوں نے ، جورؤوں سے ، آرزؤوں میں ۔

(۷) الف اصلی پر ختم ہونے والے الفاظ (خواہ وہ "ں" گرانے کے بعد ہی کیوں نہ بنتے ہوں) ۔ الف کے بعد ہمزہ بڑھا کر (جو "ؤں" کی حرکت کا قائم مقام ہے) : راجاؤں ، ملاؤں ۔ دریاؤں ، ماؤں ، خزاؤں ۔

"ؤں" "سنسکرت لاحقۂ اضافت" "انام" سے ڈھالا گیا ہے اور جیسا کہ جان بیمز نے لکھا ہے ۔ "ن" گر جانے کی وجہ سے "ا" کو "ؤ" کی شکل دے دی گئی ۔ گویا "ؤ" "ن" کا قائم مقام ہے قدیم دکنی میں بھی "ؤں" استعمال ہوا ہے لیکن ندرت کے ساتھ ۔

سوت دنوں کے بعد (کہانی نو سر ہار)

چھ بیٹوں کے تیر سلے (کہانی اندر باشازادی)

۹۵ —— فارسی لاحقات جمع "ہا" "ان" "گان" (ہ + ان[1]) بھی اردو میں مستعمل ہیں ۔ تنہا کمتر ترکیب میں بیشتر ۔ جیسے : ہزار ہا

ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں (آتش)

مردماں ، دارفتگاں ، عشق پیشگاں ، صاحبانِ ہوش ، اہالیانِ (اہالی + ان) شہر ۔

۹۶ —— عربی تثنیہ کی جری حالت اسم پر "ین" لگانے سے بنتی ہے ۔ اُردو میں یہ بھی عام ہے ۔ جیسے : جانبین ، فریقین ، والدین ، طرفین ، مغربین ، نعلین ۔

اور مونث سالم اور مذکر سالم کی جری حالت بھی ۔ مونث سالم میں اسم پر (آخر سے "ہ" گرا کر) "ات" بڑھاتے ہیں ۔ جیسے : علامات ، خدمات ، عادات ، حرکات ، عنایات ، کرامات ، حالات ، مستورات ۔

"ات" فارسی کلمات پر بھی اضافہ ہوا ہے ، جیسے : سفارشات ، نگارشات ، فرمائشات ، کاغذات ۔

اور اگر آخر میں "ہ" ہو تو "ہ" کی جگہ یا اس کے بعد "ج" بڑھا کر "ات" لگاتے ہیں : پروانہ جات ، نقشہ جات ، حلوہ جات ، پرزہ جات ۔

---

[1] اس کی مثال نہیں دی گئی ۔ یہ اردو تو درکنار فارسی میں بھی نہیں ہے ۔ دراصل آخری "ہائے مختفی" کو "گ" سے بدل کر "ان" جمع کا لگاتے ہیں یہاں وضاحت اس طرح ہونی چاہیے تھی ("گ" بدل "ہ" کا + ان) ۔ (ق)

"مختلف قسم کے حلوہ جات، پھل پکوان پٹے پڑے رہتے تھے۔" (گناہ کا خوف)
"شکر و سمنٹ سازی کی مشینیں اور پرزہ جات بھی تیار ہو رہے ہیں۔" (رسالہ کاریگر)
برنامجات (برنامہ + ات[1]) کشتہ جات، میوہ جات۔
ں (غنہ) کے بعد بھی جات بڑھاتے ہیں۔ جیسے بیرونجات۔
"بیرونجات کی بولی ہے۔" (غالب)
جمع مذکر سالم کی جری حالت "ـِین" لگا کر بنائی جاتی ہے۔ جیسے: متقدمین، متاخرین،
صالحین، مومنین، مسلمین، متوسلین۔

۹۷ ــــــ جمع مکسر کے جو اوزان اردو میں عام ہیں ان میں سے صرف چند کا جو کثیر الاستعمال بھی ہیں، یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے:

أفعال :	أبرار، أعلام، أقسام، أوزان، أعمال، أخبار۔
فُعول :	اُمُور، اُصول، وُجوہ، فُتوح، عُیوب۔
مَفَاعِل :	محاسن، محامد، محافل، مدارج، مشاغل۔
فَوَاعِل :	سوانح، سواحل، دوائر، جواہر، طوائف۔
فُعَلاء :	شُعرا، قدماء، فصحاء، بُلغا، علماء۔
فُعّال :	عُشّاق، طُلّاب، تُجّار، عُمّال، عُبّاد۔
فُعُل :	کُتُب، سُبُل، رُسُل، مدن، سُنن۔
فِعال :	رِیاح، ریاض، جبال، نکات۔
أفعُل :	أنفُس، أعیُن، ألسُن، أرجُل۔
أفعِلاء :	اولیاء، انبیاء، اتقیاء، اقرباء، اعزاء۔

---

[1] برنامہ بحذف 'ہ' + جات۔ (ق)
[2] اردو میں یہ دونوں لفظ مضموم الاول نہیں بلکہ مفتوح الاول مروج ہیں اس لیے یہ اردو کا تصرف مانا جائے گا۔ (ق)

حالت

۹۸ ——— قائم اور محرف اسم کی دو حالتیں ہیں۔ قائم حالت میں 'نے' سے 'پر'، 'کا'، 'کو' 'میں' 'تک'۔ مغیرہ کلموں میں سے کوئی کلمہ اسم کے بعد نہیں آتا اور نہ اسے پکارا ہی جاتا ہے۔ محرف حالت میں اسم کا پکارا جانا یا اس کے بعد ان کلموں میں سے کسی کلمے کا آنا ضروری ہے۔

"گھوڑا دوڑا" اس مثال میں گھوڑا قائم حالت میں ہے۔ "گھوڑے نے گھاس کھائی" اس میں "گھوڑے" مغیرہ حالت میں ہے۔

انگریزی میں قائم کو "NOMINATIVE" کہتے ہیں۔ محرف 'جسے مغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ OBLIQUE کا ترجمہ ہے۔ قائم کو فاعل بھی کہہ سکتے ہیں۔

سنسکرت میں اسم کی آٹھ حالتیں ہیں۔ فاعلی، مفعولی، مفعولی ثانوی، آلی، مجروری، اضافی، ظرفی، ندائی۔ یہ آٹھ حالتیں اردو میں بھی ہیں لیکن معنی اور مفہوم کی حد تک سنسکرت کی طرح اُردو میں ان آٹھ حالتوں کی وجہ سے کسی لفظ میں آٹھ تغیرات نہیں ہوتے۔ فاعلی حالت میں تو سرے سے کوئی تغیر ہوتا ہی نہیں اس لیے اسے قائم کہتے ہیں۔ بقیہ سات حالتوں میں صرف اس وقت جب اسم کے آخر میں الف یا اس کا ہم آواز حرف ہ، ح یا ع ہو، تغیر ہوتا ہے جس کے پیش نظر ایک حالت قرار دے کر اسے محرف یا مغیرہ کہا جاتا ہے۔ مغیرہ حالت کو اس لحاظ سے سنسکرت کی سات مختلف حالتوں کا مجموعہ اور ان کا قائم مقام سمجھیے۔ قدیم فرانسیسی اور قدیم پرووِنشل زبانوں کی طرح اردو میں اسم کی محرف حالت کو فاعلی حالت کے بالمقابل ایک منفرد صیغے (SINGLE FORM) کا درجہ حاصل ہے۔

۹۹ ——— اسم کے آخر میں 'ح' یا 'ع' میں سے کوئی حرف آئے اور اس سے پہلے زبر ہو تو محرف حالت میں زبر کو زیر (کسرے) سے بدل دیں گے اس کے سوا کوئی تغیر نہ ہوگا۔ صُبح، صُلح، طرح، فسح، فتح، نفع، ضلع، خلع وغیرہ الفاظ (جو اردو میں مفتوح الاوسط ہیں) اس ذیل میں آتے ہیں۔ محرف حالت میں درمیانی فتح کو زیر سے بدل کر کہیں گے: صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ صلح میں جو مزہ ہے وہ جنگ میں نہیں۔ اس ضلع کا

حاکم کون ہے۔ اسلام میں خُلع کی اجازت ہے۔ بُرقع سے آنکھیں نظر آتی تھیں۔

فارسی کلموں کا بھی جو اصل 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں یہی حکم ہے۔ جیسے:

اِس زرِہ میں کتنی کڑیاں ہیں۔

۱۰۰ ـــــــ جن اسما کے آخر میں الف زائد یا ہائے مختفی ہے محرف حالت میں ان کے الف یا 'ہ' کو 'ے' سے بدل دیں گے۔

محرف	قائم
گھوڑے (نے)	گھوڑا
بندے (سے)	بندہ
صفحے (پر)	صفحہ
قلعے (میں)	قلعہ
مصرعے (کو)	مصرعہ
کعبے	کعبہ
مدینے	مدینہ
کلکتے	کلکتہ

مؤذن مرحبا بر وقت بولا

تری آواز مکّے اور مدینے (ذوقؔ)

کلکتے کا جو ذکر کیا تُو نے ہم نشیں

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے (غالبؔ)

محرف حالت میں صرف وہ اسما بدلتے ہیں جو:

(i) براہِ راست سنسکرت سے کسی قدر تغیّر کے بعد اردو میں آئے اور جن کا لاحقہ فاعل کا قائم مقام ہے۔

(ii) ہندی الاصل یعنی دیسی ہیں۔

(iii) اور مذکر ہیں۔

ان اسما کو اس حکم سے خارج سمجھیے جو سنسکرتی یعنی تت سم نہیں یا جن کا الف اصلی ہے، جیسے: راجا، پرجا، پُوجا، پتا، پرارتھنا، چھپا، یاترا، داتا، دادا، چچا، متھرا، گیا: نربدا، رمنا، گھاگھرا، ہمالیا، بلیا، کالکا۔

(ii) جن کا الف تانیث کا ہے۔ جیسے: ابلا، رمبھا، بھدرا، سبھا، جمنا، گنگا۔

(iii) جن کے آخر میں 'یا' (ـیا) تصغیر[1] کا ہے۔ جیسے الٹیا، کتیا، بچھیا، کٹیا، بگیا، چڑیا، چوہیا، ڈبیا، ٹھلیا، بڑھیا[2]۔

(iv) جن کا الف ('' ہ '') کلمے کا جزبن چکا ہے۔ جیسے: چھدا، بشیرا، چھنگا، گھسیٹا، مسیتا، شفیعا[3]۔

اس کے علاوہ وہ عربی و فارسی الفاظ بھی اس قاعدے سے خارج ہوں گے:

(i) جو اردو میں مونث ہیں۔ جیسے: فاطمہ، سارا، طاہرہ، صغریٰ، زہرہ، فہیمہ، لیلیٰ، زچہ، بیوہ، بوا، رِدا، دایہ، سسترا، حیا، وفا، جفا، شفا، ضیا، رضا، انتہا، اشتہا، التجا، تمنا، بینا۔

(ii) جن کے آخر میں الف (یا 'ہ') اصلی ہے۔ جیسے: رسوا، دانا، چیتا، آغا، آقا، دریا، بخارا، امریکا، ایشیا، افریقا، خواجہ، مرزا، مولانا، ہما، سہا، موسیٰ، عیسیٰ، مسیحا، مرتضےٰ، مصطفیٰ، ملا، قشقا، کرنا۔

(iii) جن کے آخر میں الف ممدودہ ہے[4]۔ جیسے اجزاء، اخفاء، افتراء، اقتداء، استغناء، استہزاء، ایماء، انشاء، الحمراء، الزہراء، صحراء، بلغاء، صفاء، سناء، متکاء، ارتعاء[5]۔

لیکن وُہ الفاظ جو رچ بچ کر اردو ہو گئے ہیں، تدبھو الفاظ پر قیاس کرکے گردانے جائیں گے۔ جیسے: تقاضا، تقویٰ، استغنا۔

غالب کے زمانے تک "تقاضا" اردو میں رچ بچ نہیں سکا تھا اس لیے گردانا نہیں گیا:

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا (غالب)

۱۰۱ —— فارسی یا عربی الفاظ جو ترکیب میں استعمال ہوں عموماً محرف حالت میں کوئی

---

[1] بنیا، گڈریا وغیرہ اسما کا "یا" کلمے کا جز ہے اس لیے اس کو گردانا جائے گا۔

[2] بندیا، جیا، بجیا، بچھیا، سکھیا، منگیا، چینا وغیرہ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ (ق)

[3] ان میں الف تصغیر کا ہے اور یہ بمنزلہ علم (معرفہ) ہیں۔ اسی ذیل میں 'کلوا' للوا، بکوا، گنگوا، ویسا، شیرا وغیرہ بھی خیال کیجیے۔ (ق)

[4] ان اسما اور مصادر کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا۔

[5] اُردو میں جب تنہا آتے ہیں ہمزہ نہیں لکھتے لیکن مرکب اضافی و توصیفی کی حالت میں ہمزہ لکھتے ہیں۔ اخفائے حال (اخفاءِ حال) (ق)

تغیر قبول نہیں کرتے۔ جیسے: جوہر آئینہ، حسن تقاضا، تیزی اندیشہ، دل دریدہ، امیر قافلہ۔ لیکن بُت خانہ، صنم کدہ، دار المطالعہ قسم کے الفاظ اردو میں کثرت سے برتے جانے کے باعث اردو ہوگئے ہیں۔ ان میں تغیر کیا جا سکے گا۔

۱۰۲ ——— جن مذکر اسما کے آخر میں 'ں' (غنہ) اور اس کے پہلے الف ہے ان کا الف بھی 'ے' سے بدل جاتے گا:

محرف		قائم
دھویں	(سے)	دھُواں
کنویں	(میں)	کنواں
رُویں	(تک)	رُواں

البتہ محرف کی 'ے' سنسکرت ظرفی لاحقے "ےسمِن" سے درج ذیل تبدیلیوں کے بعد وجود میں آئی: ےسن = ےسھی = اتی = یے = ے

اسمائے مطلقہ

۱۰۳ ——— اسم مطلق بطریق تبادل ہر اسم پر بولا جاتا ہے۔ عربی میں اسے "مبہم" کہتے ہیں۔ اس کے احکام ایک حد تک اسم مانع کے احکام سے مختلف ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، اسم مطلق (سنسکرت "سروَنام") کی پانچ قسمیں ہیں[1]: ضمیر، اسم اشارہ، موصول، کنایات، اعداد۔

۱۰۴ ——— ضمیر اسم کی قائم مقام ہے اور اسم کی جگہ استعمال میں آتی ہے۔ متکلم، حاضر، غائب، ضمیر کی تین قسمیں ہیں۔ متکلم بات کرنے والے کی ذات کے لیے ہے، حاضر مخاطب کیلیے جس سے ہم کلام ہوں، غائب متکلم اور مخاطب کو چھوڑ کر ہر ایک کے لیے۔ واحد اور جمع کا فرق ضمیر میں آج بھی ہے۔ واحد کے لیے الگ ضمیر ہے اور جمع کے لیے الگ۔ لیکن تذکیر و تانیث یعنی جنس کا فرق ضمیر میں پراکرت عہد تک تھا، اب مٹ چکا ہے۔

۱۰۵ ——— "میں" واحد متکلم کے لیے ہے اور "ہم" جمع متکلم کے لیے۔ میں فاعلی اور آلی دو حالتوں کا قائم مقام سمجھیے۔

میں معتقد فتنہ محشر نہ ہوا تھا (غالب)

یہ فاعلی حالت ہے۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی (غالب)

یہ آلی[2] حالت ہے۔ قدیم اردو (نیز دکن میں) "میں" صرف فاعل کے لیے تھا:

---

[1] ظروف کو میں نے اس سے خارج کر دیا ہے۔ وہ متعلق فعل کے ذیل میں آ جاتے ہیں۔

[2] یہاں دراصل فاعل کی قسمیں بیان کی جاتیں تو مناسب تھا۔ ایک فاعل مطلق ہے کہ صدور و اثر فعل اس کی ذات سے وابستہ رہتا ہے۔ دوسرا فاعل معمولی ہے کہ اس کے فعل کا صدور اس کی ذات سے متعلق ہوتا ہے لیکن اثر فعل اور پر مترتب ہوتا ہے یا اپنے غیر پر اثر انداز ہوتا ہے۔ (ق)

میں بھی تو عاشق ہُوں ترا کرکے کرم کر سرفراز (ہاشمی)

"ہم" قائم اور محرف دونوں کے لیے ہے۔

صفت دن کی اُمت ہم تم زبان آکھن سکے نا جگ (قلی قطب شاہ)

لیکن جمعیت ظاہر کرنے یا اس پر زور دینے کے لیے قدیم اردو میں "ن" یا "نا" اضافہ کرکے "ہم کو "ہمن" یا "ہمنا" کہا جاتا تھا۔ شمال میں بھی اور دکن میں بھی۔

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا (سعدی کاکوری)
خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے (شہد زنجانی عربی)
ہمن جیو دے ہم پچھانے نہ اس (گلشن عشق)
ہمارے گن کو دیکھے سو ہمنا دیکھے (سب رس)
ہمن کیا جو ہمنا کے کچھ ہوسے بات (گلشن عشق)
حق کی حقائق کی بوج سب تو ہمن کوں کہاں (علی عادل شاہ)
ہمن میں تو نئیں نیک و بد کی تمیز (گلشن عشق)

"ہمن"[1] اور "ہمنا" یہاں مختلف حالتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہیں مغیرہ کے ساتھ مثلاً "ہمنا تے" "ہمن کوں" "ہمن میں" اور کہیں مغیرہ کے بغیر۔ جیسے : ہمنا (ہم نے) تمن کو ، ہمن جیو (ہمارا جیو) ، ہمنا (ہم کو) دے کے۔

"ن" (لاحقہ جمع) برج میں بھی ہے (سب سے سبن) اور اغلب یہ ہے کہ یہ سنسکرت لاحقۂ جمع "ـ ان" سے تراشا گیا ہے۔

'میں' سنسکرت 'میا' سے لیا گیا ہے جو متکلم کی آلی حالت ہے۔ (میا = متے = مئی = میں) شاید اس لیے یہ آلی حالت میں (نے کے ساتھ) استعمال ہوا ہے۔

"ہم" ویدک سنسکرت "اشمے" سے ماخوذ ہے۔ درمیانی مدارج یہ ہیں : اشمے = اُسمے = اُمھے = اُمھ = ہم۔

۱۰۶ —— 'مجھ' میں کی محرف حالت ہے (مُجھ ، منجھ)

---

[1] اس کو "ہم" کا دوسرا رُوپ کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ ساتھ قدیم میں 'ہم' بھی موجود ہے۔ اور ہم ، ہمنا ، ہمن کا استعمال ایک ہی نہج پر ملتا ہے تو اصل بات یہی ہے کہ یہ تینوں رُوپ مروّج تھے۔ یہ قدیم کی بات ہے کہ 'ہم' کی جمع 'ہموں' بھی پائی جاتی ہے جس طرح سب (سبھ) کی جمع سبن (قدیم)، 'سبھوں' آج تک مروّج ہے۔

سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہُوا تھا (غالب)

"مج" یا "منج"[1] خالص دکنی روپ ہیں ویسے دکن میں "مجھ" بھی استعمال ہوا ہے۔

منج بروے کا کیا کاری ہے (ارشاد نامہ)
کہ مجھ روپ تھے ہوا دھک سشہ دکن (ابراہیم نامہ)
یہی مجھ منے عشق ہور شوق تھا (گلشنِ عشق)

"مجھ" سنسکرت "ہیتم" پراکرت "مجّھ" سے اخذ کیا گیا ہے۔

۱۰۷ ——— "مَیں" اور "ہم" کی اضافی اور مفعولی حالتیں بھی ہیں۔

اضافی: میرا ہمارا
مفعولی: مجھے ہمیں

"ہے یو میرا میریچ پاسبس" (ارشاد نامہ)
سمجھنے کا یا رب مجھے گیان دے (نجات نامہ)
ہمیں کیا جو ہمنا تے کچھ ہوئے بات (گلشنِ عشق)

لیکن "میرا"[2] اور "ہمارا" دکن میں محرف کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے:

او میرے سوں بیعت کرے گا (معراج العاشقین)
میرے پر ایمان (" ")
ہمارے کیا کیا پھرایا ہے دیک (نجات نامہ)

"میرا" کا "را" لاحقۂ اضافت "کیر" سے لیا گیا ہے۔ "مجھے" اور "ہمیں" کی "ے" پراکرت "ہِن" سے ماخوذ ہے۔

---

[1] یہ "منج" سندھی میں اب تک موجود ہے۔ اس کی ایک قدیم شکل "منجھ" بھی ہے۔ اردو میں یہی منج، منجھ اب 'مج' 'مجھ' ہے۔ یہ 'ج' 'جھ' قدیم اضافی علامت ہے جس کی "جا" شکل آج بھی سندھی میں موجود ہے۔ 'منجا = میرا' شمال کے دیہات میں یہ 'کا' کی شکل میں مستعمل ہے 'مو کا' بجائے 'میرا' عام استعمال پایا جاتا ہے۔ یہ 'ج' 'جھ' بحالتِ مجرور یا مغیرہ مستعمل ہو گیا کہ ان میں نسبت تعلق یا اضافت ضروری ہے۔ اور کچھ تہذیب زبان کا بھی عمل دخل ہے۔ ورنہ 'مَیں' بھی مغیرہ حالت میں بعض علاقوں میں مروج ہے۔ مثلاً بمبئی وغیرہ میں عام ہے "مَیں کو دو"۔ 'میں کو مارو' وغیرہ۔ (ق)

[2] یہ عمل آج بھی دکن، بمبئی، گجرات، کراچی (قدیم) میں پایا جاتا ہے۔ (ق)

۱۰۸ ـــــــ "تُو" (توں)، "تُم" (تمن[1]) حاضر کی ضمیریں ہیں۔ "تُو" یا "تُوں" واحد کے لیے اور "تُم" یا "تمن" جمع کے لیے۔ "تون" قدیم شکل ہے "تو" کی۔ ویسے "تو" بھی استعمال ہوا ہے۔

تو قدرت سے پیدا کیا اک رتن (نجات نامہ)
خدا کوں سچ دل منے ایک توں (" ")

"تُو" کی ایک شکل "تیں[2]" ("مَیں" کے قیاس پر) بھی ہے۔
"تُوں" پیداوار ہے سنسکرت "توم" کی، اور "تو" اس کی تخفیف ہے یا سنسکرت "تویا" سے لیا گیا ہے۔ "تو" مرہٹی، گجراتی، راجستھانی اور پنجابی میں بھی ہے۔
"تم" قائم بھی ہے اور محرف بھی۔ "تمن" اور "تمنا" اس کی قدیم شکلیں ہیں۔

پیارے آج تم میرے مجھے تم آج جانے دو
کہ تم جس وقت بولیں گے، پس کوں لاؤں گی چھوڑ دو (ہاشمی)
تمن ویسا موتی کن جوھری بایانہ ہو رہا ہے
غوطے کھا کر ہوویں حیراں غواصاں میں کن مرد (محمد علی)
شیر خدا تم ہی لگر برحق ہے تمنا مان کر
تمنا سہاتا بونا . . . . (علی عادل شاہ ثانی)

"تم" کی اصل بھی "توم" ہی بتائی جاتی ہے۔
۱۰۹ ـــــــ "تجھ" (تج) اور "تُو" (واو مجہول) محرف صورتیں ہیں "تو" کی۔ "تجھ" عام ہے، دکن میں بھی تھا اور قدیم اردو میں بھی۔

جو کوئی ساری دیپے ہیں تجھ کو یاری[4] (پھول بن)

"تج[3]" اور "تُو" قدیم دکنی کے ساتھ خاص ہیں۔

---

[1] تمن کے ساتھ تمنا بھی ملتا ہے۔ یہ بھی شکل ہمن اور ہمنا کے ہے۔ (ق)

[2] یہ ہریانوی شکل ہے اور اس کا ایک رُوپ "تَیں" بھی ملتا ہے۔ پنجاب میں بھی بولا جاتا ہے۔ اُردو کے ابتدائی دور میں یہ دہلی میں بھی مروج رہا ہے جس کی نشان دہی غالب نے اپنے ایک خط میں کی ہے۔ اس میں سہوِ کتابت کی بدولت تیں کا تئیں بن گیا ہے۔ (ق)

[3] "تج" کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ جب "کو" کے ساتھ آئے تو "تجکو" ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ چنانچہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے ربع اوّل تک یہ روش عام رہی ہے اور اب بھی دبستانِ لکھنؤ کے بعض پیروکار اس پر کاربند ہیں۔ (ق)

[4] یہ برج، راجستھانی، گجراتی، ہریانوی وغیرہ کے زیرِ اثر اردو بولنے والوں میں اب بھی بولا جاتا ہے۔ اردو کی کہاوت راجستھانی یا ہریانوی سے ماخوذ ہے۔ (ق)

جب تج کہہ سکوں تیرا کتھن (ارشاد نامہ)
توسوں بہت مچھر کو ملک جو پاگا (پھول بن)
تو کے کرم مجھ پہ ہوئے (علی عادل شاہ)

اُردو کی صرف ایک کہاوت میں "تو" استعمال ہُوا ہے۔

"توکو نہ موکو لے چُولھے میں جھوکو"

"تجھ" سنسکرت "تُبھیم" سے لیا گیا ہے۔

۱۱۰ ——— متکلم کی طرح حاضر کی اضافی اور مفعولی حالتیں بھی ہیں:

اضافی : تیرا (تیری) تمھارا (تمھاری)
مفعولی : تجھے تمھیں

تیری صفت کن کر سکے (قلی قطب شاہ)
تیرے نور سوں پیدا کیا ہے (معراج العاشقین)
تمھیں کیا ہوا (نجات نامہ)

"میرا" کی طرح "تیرا" "کا" "را" لاحقۂ اضافت "کیر" سے لیا گیا ہے۔
"تجھے" اور "تمھیں" کی "ے" پراکرت "ہن" سے ماخوذ ہے۔

۱۱۱ ——— "آپ" کے معنی ہیں "خود"۔ اردو میں یہ تعظیمی ضمیر ہے اور ضمیر کی تاکید بھی۔ آپ متکلم، حاضر، غائب تینوں کے لیے ہے اور واحد و جمع دونوں میں مستعمل ہے۔

غائب :

منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا (میرؔ)

ضمیر حاضر :

اور پھر کیوں مسکرا کر آپ پیچھے چل دیے (ظفر)

ضمیر متکلم :

حوصلہ نہیں پڑتا کہ آپ بھی کچھ کہوں (دروُیائے صادق)

تاکید غائب :

جو بت پرست ہیں ہو جائیں حق پرست وہ آپ (نظم نگاریں)

تاکید حاضر :

آپ چمک اور ہم سبھوں کو چمکا (طوطی نامہ)

تاکیدِ متکلم :

جب تک وہ مردود زندہ ہے میں آپ کو سوں بھاگتا ہوں (شاہد رعنا)

کہنا ہم آپ آتے ہیں خط کے جواب میں (خزینۃ الخیال)

۱۱۲ ——— "اپنا" اضافی حالت ہے آپ کی، اور "آپس" محرف حالت۔

یوں بوج توں اپنی ریت (ارشاد نامہ)

قدیم دکنی میں "اپنا" کی جگہ "اپن[1]" اور "آپس" کی جگہ "اپس" کا استعمال محرف کے طور پر زیادہ ہوا ہے۔

کہا درویش اپس میں آپ سوں یوں (پھول بن)

اپس کی بات میں ایسا توں یک ہے (" ")

پو سنگ کاج کرتے دیکھے ، گن اپن میں (علی)

بھونیک سیا سیتی اپن (قلی قطب)

"آپ" کی اصل ہے سنسکرت "آتم" اور پراکرت "آپ"۔ اس پر لاحقۂ اضافت "سی" اضافہ ہونے سے "آپس" وجود میں آیا اور اس سے "اپس" یا "آپس"۔

"اپنا" نتیجہ ہے "آپ" اور "نا" (سنسکرت لاحقۂ اضافت) کی ترکیب و تالیف کا۔

"وہ" غائب کی ضمیر ہے اور اشارہ بعید بھی۔ قدیم اردو میں غائب کے لیے "سو" (سنسکرت "سہ") استعمال میں آتا تھا۔

سو ہے نکث ذات قدیم (ارشاد نامہ)

لیکن اب "سو" صلے کے جواب میں اسم موصول کے مقابل کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے اور بس۔

جو ہو سو ہو۔ جو تمہارا جی کہے سو کرو۔

"تس" "سو" کی محرف حالت ہے اور "تن" اس کی جمع ہے۔

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا (میر)

---

[1] "اپن" بجائے "آپ" بھی قدیم میں پایا جاتا ہے اور بمبئی، گجرات، کراچی (قدیم) کی اردو بول چال میں اب بھی مروج ہے، اور یہ ضمیر متکلم کے طور پر بجائے "میں": اپن نے کب کہا تھا، اپن سے نہ بولو، اپن کا مال کدھر گیا، اپن کو دس کا نوٹ ملا تھا۔ (ق)

نہ بن جوہری تس پچھانے نہ کوئی (ابراہیم نامہ)
مار ڈالے ہے مجھے تس تے ہنوز (پنچھی نامہ)

۱۱۳ ——— قریب اور بعید دو قسم کے اشارے ہیں۔ "وہ" دور کا اشارہ ہے اور واحد کے لیے ہے۔ "وَے" اس کی جمع ہے۔ 'اُو' (اُ) اور 'وو' اس کی دو شکلیں ہیں۔

وہ ہے احد (نجات نامہ)
یہ ندا سن اُو دِوانا چُپ رہا (پنچھی نامہ)
وو پہاڑ کے پیچھے گیا (کہانی نوسرہار)
او جو خلقت ہے انھو کے درمیان (تفسیر مرتضوی)

"وے"[1] اب متروک ہے۔ قدیم اردو میں اس کا استعمال عام تھا۔

لگے دیکھنے وَے تری ذات پاک (گلشنِ عشق)

ڈاکٹر چیٹرجی "وہ" اور اس کی مختلف شکلوں کو سنسکرت کے فرضی روپ "اَوَ" سے نکالتے ہیں اور ہری او وھ پراکرت "اَسُ" اور اپ بھرنش "سُ" سے لے کر کیلاگ "اوشہ" ایک کلمہ فرض کرتے اور اسے "وہ" کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ لاحقۂ جمع "ے" اضافہ کر کے 'وہ' سے 'وے' بنا لیا گیا۔

۱۱۴ ——— "اُس" محرف حالت ہے "وہ" کی۔ "اُن" اس کی جمع ہے۔

وہ کیا اس کوں جانے (خدا نامہ)
تیرا اک وزیر اُس پہ بھاری اچھے (علی نامہ)
ان اس میں جواب دیتا (ارشاد نامہ)
کر آدھار ہے ان نرادھار کوں (گلشنِ عشق)

"اُن" کا ایک رُوپ "اُنَن" قدیم دکن میں استعمال ہوا ہے۔

شہنشاہ اُنَن کو لگے کاٹنے (علی نامہ)

"اُس" کی اصل سنسکرت کا فرضی روپ "اوشی" پراکرت "اَوَسُ" اور "اُن" کی اصل "او" کی اضافی حالت "اوانام" ہے۔ "اُنَن" کا آخری "ن" جمع کے لیے ہے[2]

---

[1] 'وے' بول چال میں اب تک مروج ہے اور عہدِ میر و سودا بلکہ بعد تک مروج رہا ہے۔ (ق)
[2] اگر یہ 'ن' جمع کے لیے تسلیم کیا جائے تو پھر "ہمن، ہمنا، تمن، تمنا" کے 'ن' کو بھی یہی تسلیم کرنا چاہیے۔ 'اُنَ' خود جمع ہے۔ اس پر جمع کے 'ن' کا مزید اضافہ کس لیے؟ 'اُنَن' بھی ان کا ایک رُوپ ہے بلکہ 'انا' بھی سننے میں آیا ہے اور ساتھ ہی۔ ہمارے نزدیک یہ اثر علاقائی تصرفات کی بدولت ہے کہ شمال میں یہ عمل نہیں ملتا۔ (ق)

۱۱۵ــــــ "اُسے" "اُس" کی مفعولی حالت ہے اور "اُنھیں" (اُنھے) "اُن" کی۔

جسے جیون منگتا اسے دوں رکھتا (سب رس)

جاناُ اُنھیں کدھر...... (خوشش نامہ)

کِھلاوے کون نہلاشے اُنھے کون آئے کر مجھ بن (کربل کتھا)

"ے" اور "یں" کی بابت بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ جمع کے لاحقے ہیں اور عموماً اسمائے مطلقہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

۱۱۶ــــــ "اُنھوں" (اُنھو) قدیم اردو اور دکن میں "ان" (جمع) کی جگہ عموماً محرف حالت میں استعمال ہوا ہے۔

جو کوئی چور ہے وسے اُنھوں کوں سزا (نجات نامہ)

ایر سا رنگ برنگ اُنھوں کا لباس

برق در دامن اور بدن الماس (طوطی نامہ)

جو لوگ پیچکے ہوئے ہوں اُنھوں کی پیچ کیجے

کہ وصف کرتے ہیں ایسی ہی وضع کی پیچ کا (انشا)

"شہر کے لوگوں کا صباحت وحسن اور بازار کی رونق دیکھ کے دل انھو کا نہ ہوتا تھا کہ کسی اور جگہ جائے۔" (مہر افروز)

لیکن آج حرف "نے" کے ساتھ (آلی حالت میں) مستعمل ہے۔ شاید اس لیے کہ پہلے "اُس" اور "اُن" کا فرق نہیں تھا اور "اُس نے" بولنے میں "اُن نے" ہو جاتا ہے۔

"مومن خاں کا حال جس سے طلب کیا تھا اُنھوں نے ان کے چند احکام متعلق بہ نجوم لکھ کر بھیج دیے۔" (مکاتیب حالی)

"اُس" کی جگہ "وِس" اور "اُن" کی جگہ "وِن" کا دکن میں استعمال غالباً برج کا اثر ہے۔

کریں بھوگ وِن کے (قلی قطب شاہ)

۱۱۷ــــــ "یہ" اشارہ قریب ہے، اس کی تین شکلیں قدیم اردو میں رائج تھیں: اِسے، یے، یو۔

(ا) "اِسے":

اِسے عشق اگر نہ چلبلاتا (من لگن)

اِسے دودھ محبت (معراج العاشقین)

اِسے دو دستے ایک ہی بات (ارشاد نامہ)

(ii) "سیے" :

جوں اسیچ کا سیے ٹھستا ہے (ارشادنامہ)

(iii) "یُو" :

دھریا جس نے یُو گلشنِ عشق نام (گلشنِ عشق)
غفلت کرتا سو یُو کون (ارشادنامہ)

سنسکرت اسم اشارہ "اسے تت" سے "تت" گرنے کے بعد "اِسے" وجود میں آیا۔ اس سے "سیے" (دیہ) بنا اور "سیے" سے "یُو"۔ "اِسے" ندا گجراتی اور اودھی میں بھی ہے۔ "یُو" صرف اودھی میں ہے[1]

۱۱۸ ——— "اِس" اور "ان" محرف حالتیں ہیں۔ "اس" واحد کے لیے اور "اُن" جمع کے لیے۔

اس بن اس کوں سارا اڑ (ارشادنامہ)
پن اس سوں دایم یاری ہے (" ")
یوں اس میں اپچتے جیوا (" ")

"اُنَی"، "انو"، "انوں" یہ تین شکلیں ان کی دکن میں جمعیت پر زور دینے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

انوں دونوں اماں بیٹے کھاپی کو ..... (کہانی جر پاشا)

"اس" کا "س" جیسا کہ بیان کیا گیا سنسکرت لاحقۂ اضافت "سی" سے ماخوذ ہے اور "ان" ایک غرضی صیغے "انیام" سے لیا گیا ہے۔

۱۱۹ ——— "اسے" "اس" کی مفعولی حالت اور "اِنھیں" "اِن" کی۔ رہا "اُنھوں" سو وہ صرف "نے" کے ساتھ استعمال ہوا ہے[2]:

اُنھوں نے جو سمجھ رکھا ہے وہ درست نہیں۔

۱۲۰ ——— "اسم موصول" دو فقروں کو ایک دُوسرے سے ملاتا اور بنیادی فقرے کے بنیادی کلمے کی طرف اشارہ کرتا یا اس کی تحدید یا تعیین کرتا ہے۔ اسم موصول کو انگریزی میں RELATIVE PRONOUN کہتے ہیں۔ اِس کی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک اِس کے بعد

---

[1] "یُو" اودھی سے مخصوص نہیں شمال میں مظفرنگر اور سہارنپور میں آج بھی مروج ہے وہاں 'یہ' شاذ ہی سننے میں آیا ہے۔ (ق)

[2] قدیم میں یہ محرف شکل عام تھی، اُنھوں کو، اُنھوں سے، اُنھوں پر وغیرہ آج نہیں ہے۔ (ق)

صلہ نہ آئے (جو عموماً جملہ ہوتا ہے)۔ اسم موصول جملے کا جزو نہیں بنتا؛ جو کل میرے پاس آیا تھا وہ آج بیمار پڑ گیا۔

"جو" اسم موصول ہے" اور کل میرے پاس آیا تھا" اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مسندالیہ ہوئے۔ "وہ آج بیمار پڑ گیا" مسند ہے۔ "جو" یا "شخص" کی بابت (اس مثال میں مقدر ہے) اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی جو شخص کل میرے پاس آیا تھا۔

۱۲۱ــــــ "جو" موصول ہے۔ "جس" اس کی محرف حالت اور "جن" یا "جنھوں" اس کی جمع لیکن "جنھوں" حرف مغیرہ "نے" کے ساتھ خاص ہے۔

راہ اچھے جو کمل ..... (علی نامہ)
جس کا ناؤ خدا ہے۔ (سب رس)
جن تم کیتا کرن بار (ارشاد نامہ)

"جو" کی ایک قدیم شکل "جے" (یائے مجہول) ہے۔ غالباً "جو" کی جمع ہے۔

جے ناکا یا دھول ملا دیں (خدا نامہ)

"جو" واحد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

"جو" سنسکرت "یو" سے ('ی' کو 'ج' سے بدل کر) ڈھالا گیا ہے۔

۱۲۲ــــــ "کنایات" غیر متعین اور نا معلوم اشخاص و اشیا کی جگہ استعمال کیے جاتے اور عام اسمائے مطلقہ کی طرح ان کی قائم مقامی کرتے ہیں۔

اشاراتی، موصولاتی، استفہامی، کنایات کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ ذات یعنی شخصیت کے لیے ہیں اور کچھ تعداد، مقدار، حالت یا کیفیت کے لیے۔ جو ذات یا شخصیت کے لیے ہیں۔ وہ بسیط یعنی غیر مرکب ہیں۔ باقی دو دو کلموں کو ترکیب دے کر ڈھال لیے گئے۔ بسیط کل چھے ہیں؛ کون، کیا، کوئی، کئی، کے، بجے۔

۱۲۳ــــــ "کون" استفہامی ہے اور ذی حیات یعنی اشخاص کے لیے ہے۔ "کس" (واحد) اور "کن" (جمع) اس کی محرف حالت ہے۔ "کسے" (واحد) اور "کنھیں" (جمع) مفعولی حالت۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق (غالب)
تو کون سو توں پچھانتا ہے (من لگن)
اُس تے ظالم کہنا کِس (ارشاد نامہ)
کاں سے مَیں کِسے دیتوں (معراج العاشقین)

"کون" کی جگہ دکن میں "کن" کا استعمال بھی ہوا ہے۔

تیری صفت کن کر سکے (قلی قطب)

"کَون" مغربی اپ بھرنش "کَوَن" سے لیا گیا ہے یا "کیتوَ وُ" سے۔ چٹرجی سنسکرت "کہ پُنَہ" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ رہا "کِس" سو جیسا کہ ضمیر اور اشارے کے سلسلے میں بیان کیا گیا سنسکرت "کَش" اور پراکرت "کَسّ" اس کی اصل ہے۔

۱۲۴ —— "کیا" استفہامی غیر ذی حیات یعنی اشیا کے لیے ہے جس کی ایک شکل "کی" حرف دکنی میں دیکھی گئی ہے۔

تُوں کون ہے کیا سو تو نِچ جانے (قطب مشتری)
مجھ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
کی گت ہوتے دیک اماسس (ارشاد نامہ)

"کیا" سنسکرت "کِم" سے وضع ہوا ہے۔

۱۲۵ —— "کوئی" غیر معین فرد واحد کے لیے ہے۔ "کسی" اس کی محرف شکل ہے:

نہ اس شاہ سا شہرِ ولایت ہے کوئی
نہ مجھ شاہ استاد سا ہور کوئی (ابراہیم نامہ)
اب لگ گئی تو کسی نہ راتے پُوچھا (من لگن)
رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو (غالب)

"کوئی" پراکرت "کوئی" اور سنسکرت "کوپ" (کو + اَپ) سے لیا گیا ہے۔ اور "کسی" کی پیدائش سنسکرت "کشیاپ" سے ہوئی ہے۔

۱۲۶ —— "کچھ" غیر معین مقدار یا تعداد کے لیے ہے۔ دکن میں "کچ" کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔

نہ تھا کچ سو روشن (ابراہیم نامہ)
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

"کچھ" کی اصل سنسکرت "کِنچت" بتائی گئی ہے۔

۱۲۷ —— "کئی" غیر معین مجموعہ افراد و اشیا کے لیے ہے۔ "کَے" اس کی استفہامی شکل ہے

شاہ و گدا کئی نپیا (علی نامہ)

"کئی" سنسکرت "کتِ" کا بدلا ہُوا روپ ہے۔

۱۲۸ —— حالت یا صفت بتانے والے کنایے "سا" کی ترکیب سے بنے ہیں۔ جو یہ ہیں: جیسا، کیسا، ویسا، ایسا۔

"جیسا" (جے + سا) کے معنی ہیں جس طرح یا جس نوعیت یا صفت کا:

ہے جیسا وہی وکار (ارشاد نامہ)

"کیسا" (کے + سا) کے معنی ہیں کس طرح یا کس نوعیت یا صفت کا حال:

توں کیا پگڈ یا کیسا گن (ارشاد نامہ)

"ویسا" (وے + سا) اُس طرح کا، اُس قسم کا:

جَیسا تو اب وَیسا جان (ارشاد نامہ)

"تیسا" (تے + سا) کے معنی ہیں ویسا - یہ دکنی میں نہیں ملا؛ جیسے کو تیسا۔

"ایسا" (اے + سا) اِس طرح کا:

جے ایسا گیان منج چھوٹا (ارشاد نامہ)

"سا" کی اصل سنسکرت "اَوش" (ش)، بتائی جاتی ہے۔ "سا" اس کی تانیث ہے اور "سے" جمع۔

۱۲۹ ——— مقدار یا تعداد ظاہر کرنے والے کنایات "تا" یا "تنا" بڑھا کر بنائے گئے ہیں وُہ یہ ہیں: جِتنا (جِتّا) کِتنا (کِتّا) اِتنا (اِتّا)، وِتنا (وِتّا) اُتنا (اُتّا)[1] جِتّا (جے + تا) جس قدر، جس مقدار میں۔

اس کی ایک شکل "جِتّے" جمع کے لیے ہے اور تعداد کے لیے خاص ہے۔

"کِتّا" (کی + تا) کس قدر، کس مقدار میں:

حلہ میں کِتّے زمانے سے چھوڑا تھا (کہانی اندر باشاہ زادی)

"وِتّا" (وِ + تا) اِس قدر، اِس مقدار میں۔

جِتّے سلح باندے وِ تّے (علی نامہ)

"اُتّا" (اُو + تا) "اِتّا" (اِ + تا) اِس قدر، اِس مقدار میں:

مَیں اِتّا سمجھتا ہوں وہ ہے احد (نجات نامہ)

"تا" دکنی میں زیادہ تر تخفیف کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور اپنی اصل سنسکرت "یت" سے زیادہ قریب ہے۔ "تی" اُس کی تانیث ہے اور "تے" جمع۔

"اتّا" کی جگہ "یتا" کا استعمال بھی دکن میں دیکھا گیا ہے۔

یتے اُونچے تھے اُس گھر کے دروازاں (پھول بن)

۱۴۰ ——— کیفیت یا انداز بتانے والے کنایے "وں" (یوں) کے اضافے سے بنے ہیں

---

[1] اس کی ایک شکل "دُتنا" اور "دُتّا" بھی ہے۔ (ق)

جو درج ذیل ہیں، جیوں (جوں)، کیوں، تیوں (توں)، یُوں، وُوں۔

"جُوں" (ج + وں) جس انداز سے، جس طور پر:

کیا جوں تیر من کے مس کو کپن (گلشن عشق)

"تُوں" (ت + وں) اُس طرح، اُس انداز سے:

جُوں اس کا ٹھسنا تیوں (ارشاد نامہ)

"یُوں" (ی + وں) اس طور پر:

جوں تم اکھیں یوں آسمان (ارشاد نامہ)

"وُوں" (وُ + وں) اس انداز سے۔ دکنی میں اس کی جگہ "توں" استعمال ہوا ہے۔

"کیوں" (کِ + یوں) کس طرح، کس انداز سے:

بُھونیا بیج کیوں کر اُگوے (سکھ سہیلا)

"یُوں" کا ماخذ 'اِم' بتایا گیا ہے۔ "کیوں" سنسکرت "کم" سے ماخوذ ہے، "جُوں" 'جِم' سے اور "تُوں" 'تِم' سے۔ "وُوں" ان کے قیاس 'وُ' کے آخر میں 'ں' بڑھا کر بنا لیا گیا ہے۔

۱۴۱ ——— "عدد" کے معنی ہیں شمار یا گنتی، اور اعداد وہ اسما ہیں جو اشخاص یا اشیا کی تعداد یا گنتی بتاتے ہیں:

ایک مرد، دو کتابیں، تین من، چار سیر، پانچ گز۔

۱۴۲ ——— صحیح اور مکسور اعداد کی دو قسمیں ہیں:

ایک، دو، تین صحیح اعداد ہیں۔ پاؤ، آدھا، پون مکسور۔

۱۴۳ ——— اعداد کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ اصلی: یہ معدود کی شمار یا تعداد بتاتے ہیں۔ اور ترتیبی معدود کے درجہ یا مقام کی تعیین کرتے ہیں۔ ایک، دو، تین وغیرہ اصلی اعداد ہیں۔ پہلا، دُوسرا، تیسرا وغیرہ ترتیبی۔ اصلی اعداد بنیادی کلمے ہیں۔ ترتیبی ان سے ڈھال لیے گئے ہیں۔

۱۴۴ ——— ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے، سات، آٹھ، نو اعداد کی اکائیاں (احاد) ہیں۔ "ایک" براہِ راست سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ "اک"[1] اس کی تخفیفی شکل مرکبات میں استعمال ہوتی ہے۔ جیسے: اِکا (اِک + کا[2]) اِکہرا (اِک + ہرا) اِکیس (اِک + بیس)

---

[1] شعر میں بھی 'اک' وزن کی تناسب کی وجہ سے آتا ہے،
تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائیِ خیال کہاں (غالب) (ق)

[2] 'اک + ا' نسبتی ہے۔ 'اک + کا' بھی تجزیہ صحیح ہے۔ (ق)

ایک جاگا چلنا (معراج العاشقین)

"یک" بھی اس کی ایک شکل ہے جو فارسی "یک" کے زیراثر ہے۔ اردو میں زیادہ رائج ہے۔

یکساں رہے راس ہور رتی میں (من لگن)

"دو" سنسکرت "دُوِ" سے ڈھلا ہے۔ "دُ" اور "بُ"[1] اس کی تخفیفی شکلیں ہیں۔ جیسے: دُہرا (دُ + ہرا) دُگنا (دُ + گنا) بیالیس (بَ + چالیس)

اِن دُو بنانا ہے رُوح (ارشادنامہ)

"تین" پراکرت "تِنّ" سنسکرت "تِر" سے لیا گیا ہے۔ "تِر" اور "تِ" اس کی ترکیبی شکلیں ہیں۔ جیسے: ترپولیا (تر + پولیا) تگنا (تِ + گُنا)

تیس سیپارے ہیں تین قسم کے (معراج العاشقین)

"چار" کی اصل پراکرت "چتّار" سنسکرت "چتوارِ" ہے۔ اس کی تخفیفی شکل "چَو" پراکرت "چَو" سنسکرت "چتُر" سے اخذ کی گئی ہے جیسے: چوبیس[2]

چار چیزاں چھپا کر (معراج العاشقین)

"پانچ" سنسکرت "پَنچ" سے لیا گیا ہے جو پانچ کی تخفیفی شکل "پچ" سے زیادہ قریب ہے۔ جیسے: پچ میل، پچ گُتا۔

ہرایک تی کوں پانچ دروازے ہیں (معراج العاشقین)

"چھ" (چھے) کا تعلق پراکرت "چھ" سے ہے۔

اگلے چھے ماس کوں ہوگا سو بولے (پھول بن)

"سات" سنسکرت "سپت" پراکرت "سَتّ"۔

سات زمین سات آسماں (سب رس)

"آٹھ" پراکرت "اَٹھ" سنسکرت "اشٹ"۔ "نَو" سنسکرت "نَوَ"۔

یو سات دھرت یے نو گگن کہاں (من لگن)

---

[1] "ب" کا ماخذ "دُو" نہیں ہے۔ گجراتی اور سندھی میں "بے" مطلقاً "دو" کے لیے مستعمل ہے اور اردو میں مرکبات اعداد میں پایا جاتا ہے ان کے علاوہ نہیں۔ (ق)

[2] اس کی ایک شکل "چَوتھ، چَوت" بھی ملتی ہے: چوتھی، چَوتھیا، اسوج کی چَوتھ کو بھگتان ہوگا۔ چوتھی کتاب (ترتیبی)، چوتھا سبق (ترتیبی)، چوتھیا بخار (نسبتی)۔ اسی طرح "چال" بھی مبدلہ شکل ہے: چالیس، چالا۔ چَوترا (چَوت + را) = چوکور (ق)

۱۴۵ ـــــ دسؔ، بیسؔ، تیسؔ، چالیسؔ، پچاسؔ، ساٹھؔ، ستّرؔ، اسّیؔ، نوّےؔ۔
اعداد کی دہائیاں[1] (عشرات) یا عقود ہیں جنھیں اکائیوں کے ساتھ ترکیب دے کر درمیانی اعداد بنائے جاتے ہیں۔

"دس" سنسکرت "دش"

دنیا میں دس آخر کوں ستّر (سب رس)

"بیس" (بی + س) پراکرت "بیس" سنسکرت "وِنشتی"۔

جوانی کے برس سو بیس لگ ہے (پھول بن)

"تیس" (تی + س) سنسکرت "ترِنشت" "چالیس" (چالی[2] + س) پراکرت "چتالیس" سنسکرت "چتوارِنشت"؛

لنگا لگ اسی دھات چالیس دن (قلی قطب شاہ)

"پچاس" (پچا + س) سنسکرت "پنچاشت"؛

سبھی غرق ہوجا کے یاراں پچاس (قلی قطب شاہ)

"ساٹھ"[3] پراکرت "سٹھی" سنسکرت "ششٹی"؛

یکڑے جو ہیں تن کے تین سو ساٹھ (من لگن)

"ستّر" پراکرت "سَتّرِ" سنسکرت "سپتتی"؛

دُنیا میں دس آخر میں ستّر (سب رس)

"اسّی" پراکرت "اسیءِ" سنسکرت "اَشیتِ"؛

ایک لکھ اسی پیغمبراں (قلی قطب شاہ)

"نوّے" پراکرت "نووئے" سنسکرت "نَوَتِ"

۱۴۶ ـــــ سو، ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، سنکھ، مہاسنکھ ....
سیکڑے (مئات) ہیں۔

"سو" پراکرت "سَا" سنسکرت "شَت" فارسی صد (سد)؛

اُٹھ سو بار نہاویں (دکنی سہیلا)

---

[1] "دہائی" (دھائی) کو "دہاکا" (دھاکا) بھی کہا جاتا ہے۔ (ق)
[2] "چالیس" (چال + س) "چال" مبدلہ شکل ہے چار کی۔ "چتالیس" (چتال مبدلہ شکل "چتار" کی بحذف "و") (ق)
[3] اس کا ایک روپ "ساٹ" بھی ہے۔ (ق)

"ہزار" فارسی ہے۔ دکنی میں "سہس" (سنسکرت "سہسر") زیادہ استعمال ہوا ہے:

ایسے عام چند ہزار (ارشاد نامہ)

"لاکھ" (لکھ) سنسکرت "لکش":

اگر لکھ امولک رتن جوت ہوئے (ابراہیم نامہ)

"کروڑ" سنسکرت "کوٹِ":

ہے کڑورن کیرا بیرا (خدا نامہ)

"ارب" سنسکرت "اربُد"۔

۱۴۷ــــــ گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ۔

درمیانی عدد "دس" کی ترکیب سے بنے ہیں۔

"دس" کی تین تبدیل شدہ شکلیں ہیں۔ "دہ" جس میں "س" نے "ہ" کی شکل اختیار کی۔ یہ چودہ (چو + دہ) میں استعمال ہوا ہے۔ "لہ" جس میں "دس" کی "د" نے "ل" کا رُوپ دھارا۔ "سولہ" (سو = چھو + لہ) میں ہے۔ بقیہ اعداد میں "دس" "دہ" کی شکل میں (د = ر + س = ہ) نمودار ہوا ہے۔

"گیارہ" (اگیا = اکیا + رہ) سنسکرت "ایکادش"۔

"بارہ" (با + رہ) سنسکرت "دوادش"۔

بارہ اماماں پن کہی (علی نامہ)

"تیرہ" (تے + رہ) سنسکرت "ترے دش"۔ "چودہ" (چو + دہ) سنسکرت "چتردش"۔

بڑائی چودہ اماماں نانوسوں

"پندرہ" (پند + رہ) میں "پنچ" کی "چ" نے "د" کا رُوپ دھار لیا ہے۔ "سولہ" (سو + لہ) میں جو پراکرت "سودش" سے ماخوذ ہے۔ "دس" کی "د" نے ہی "ل" کا روپ نہیں دھارا "چھ" کی "چ" بھی "س" کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ رہا "سو" کا "و" سو وہ "ہ" (چھ) کی قائم مقامی کر رہا ہے۔

دو جے چاند سولہ کلا جاگتے (ابراہیم نامہ)

"سترہ" (ست + رہ) "اٹھارہ" (اٹھ + رہ) میں "سات" اور "آٹھ" اپنی تخفیفی شکل میں ہیں اور یہی ان کی اصلی پراکرتی شکلیں بھی ہیں۔ "اٹھارہ" کا درمیانی "ا" اتصال یا اشباع کا ہے، گیلرہ اور بارہ میں بھی ہے اور اصل سنسکرت میں بھی۔

۱۴۸ــــــ اُنیس، اکیس، بائیس، تئیس، چوبیس، پچیس، چھبیس، ستائیس،

اٹھائیس ۔ یہ نو اعداد ہیں اور "اس" کی تخفیفی شکل "تیس" کی ترکیب سے بنے ہیں۔

اُنیس (اُن + نیس)، اکیس (اک + کیس)، پچیس (پچ + چیس) ان تین اعداد میں جیساکہ ان کے تجزیے سے ظاہر ہے "بیس" کی "ب" ماقبل لفظ کے آخری حرف سے بدل گئی ہے۔ "اُن" 'ایکون' (ایک + اُن) کی تخفیف ہے۔ اور اس کے معنی ہیں ایک کم۔ اُنیس کے معنی ہوئے ایک کم بیس۔ دکنی میں 'ا' کو 'و' سے بدل کر "وَنیس" کہتے ہیں۔ "چھبیس" (چھ + بیس) کی "ب" ان اعداد کے قیاس پر مشدد ہوئی ہے۔ "بائیس" (ب + ا + ئیس) "ستائیس" (ست + ا + ئیس)، "اٹھائیس" (اٹھ + ا + ئیس)، اِن تین اعداد میں اکائی اور دہائی کے درمیان اتصالی 'الف' بڑھایا گیا ہے۔

۱۴۹ —— اُنتیس۔ اکتیس، بتّیس، تیتیس، چونتیس، پینتیس، چھتیس، سینتیس، اڑتیس۔ یہ نو اعداد "تیس" کی مدد سے بنے ہیں۔